ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان

UNDP
Pakistan

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان، ملک میں اہم ترقیاتی مسائل اور مشکلات پر خیالات کے تبادلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔ اس کے ہر سہ ماہی شمارے میں ترقی سے متعلق ایک موضوع کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے عوامی بحث کی راہ ہموار کی جائے گی اور سول سوسائٹی، تدریسی حلقوں، حکومت اور ترقیاتی پارٹنرز کے مختلف نقطہ نظر پیش کئے جائیں گے۔ اس جریدے کے ذریعے ہونے والی ہر بحث میں نوجوانوں اور خواتین کی آراء شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ تجزیوں اور رائے عامہ پر مبنی آرٹیکلز ترقی سے متعلق نئے خیالات پر بحث کو فروغ دیں گے اور اس کے لئے معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین معلومات بھی پیش کریں گے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

مارک آندرے فرینشے

کنٹری ڈائریکٹر، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ

عادل منصور

چیف، سٹریٹجک مینجمنٹ یونٹ

عامر گورایہ

اسسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر، جمہوری طرز حکمرانی یونٹ

جیمز لٹلٹن

چیف ٹیکنیکل ایڈوائزر، سٹرینتھنگ الیکٹورل اینڈ لیجسلیٹو پراسیسز

امجد بھٹی

نیشنل ٹیکنیکل ایڈوائزر، شمولیت پر مبنی وفاقی نظام اور ڈی سنٹرلائزیشن کے استحکام کا پراجیکٹ

شکیل احمد

پالیسی سپیشلسٹ، ڈویلپمنٹ پالیسی یونٹ

مارگریٹ لیمب

کمیونیکیشنز سپیشلسٹ

فاطمہ عنایت

کمیونیکیشنز اینالسٹ

وضاحت

اس جریدے میں شامل ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان یا دیگر بیرونی افراد کی تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ضروری نہیں کہ اس ادارے کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوں کے لئے وہ کام کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی آراء ایک ادارے کی حیثیت سے اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ایڈیٹر: علی شاہ رخ پراچہ

ڈیزائنر: آمنہ نسیم خان

ترتیب: طورسم خان

پرنٹر:

اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ

چوتھی منزل، سیرینا بزنس کمپلیکس،

خیابان سہروردی، سیکٹر G-5/1،

پی او باکس 1051، اسلام آباد، پاکستان

اپنی تحریریں اور جوابی آراء ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں:

pak.communication@undp.org

ISBN: 978-969-8736-07-1

فہرست
مئی 2014

تجزیے

2 تعلیم: طرز حکمرانی کا گورکھ دھندا
ڈاکٹر فیصل باری

10 نگرانی و جانچ پرکھ میں جدت و اختراعات
شکیل احمد

16 سکول کی سہولیات اور تعلیمی نتائج: ایک ابتدائی جائزہ
آصف سعید میمن اور ثمن ناز

آراء

8 امتحانی کارکردگی پر مبنی احتساب اور اس کے مایوس کن پہلو
عرفان مظفر

12 نجی سکول: 'کج فہمی کا شکار' تعلیمی شعبہ
عبدالسمیع خان

14 تعلیمی اصلاحات اور سیاست
مشرف زیدی

18 سرکاری شعبے کی تعلیم میں بہتری: کمیونٹی تنظیموں کا کردار
شاندانہ خان

30 پاکستان میں نظامِ تعلیم کی اصلاح: کیوں، کب، کیسے؟
مہناز عزیز

انٹرویو

20 وفاقی وزیر منصوبہ بندی، ترقی و اصلاحات

23 وزیر برائے سکول تعلیم، اعلیٰ تعلیم و امور نوجوانان، کھیل، آثار قدیمہ و سیاحت، پنجاب

24 سینئر وزیر تعلیم، سندھ

26 وزیر تعلیم، خیبر پختونخواہ

28 مشیر تعلیم، وزیر اعلیٰ بلوچستان

نوجوانوں کی آواز

22 پنجاب

25 سندھ

27 خیبر پختونخواہ

29 بلوچستان

ہماری آن لائن رابطہ معلومات

www.facebook.com/undppakistan

www.twitter.com/undp_pakistan

www.pk.undp.org

©یواین ڈی پی پاکستان

اداریہ

پاکستان سمیت بیشتر ترقی پذیر ملکوں میں تعلیم کے شعبے پر جہاں جہاں سرمایہ لگایا جاتا ہے وہ یہ سوچ کر لگایا جاتا ہے کہ جیسے یہ 'اس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے' والا معاملہ ہے۔ کارکردگی کیسی رہی، جو کوششیں اور کاوشیں کی گئیں انہوں نے ثمرات کی شکل کس طرح اختیار کی اور یوں کیا نتائج سامنے آئے، ان پہلوؤں کو شاذ و نادر ہی زیر بحث لایا جاتا ہے۔
گڈ گورننس یا عمدہ طرز حکمرانی، یعنی کارکردگی کے مطلوبہ معیارات طے کرنا، نگرانی اور احتساب کے نظام تشکیل دینا، بجٹ سازی اور تقسیم کے فارمولے وضع کرنا، یہ سب باتیں کسی نئے اقدامات کے بغیر نظام تعلیم میں اداروں کی افادیت اور نتائج کو خاطر خواہ حد تک بہتر بنا سکتی ہیں۔
خدمات فراہم کرنے والے ان افراد کی استعداد کے مسائل پر بحث کرنا بھی ضروری ہوتا ہے جو اپنے لئے مختص کئے گئے وسائل کو عمدہ طریقے سے بروئے کار نہیں لا پاتے۔ اس عمل کا تجزیہ کرنا بھی اتنا ہی اہم ہوتا ہے جس کے تحت وسائل مختص کئے جاتے ہیں اور انہیں اصل صارفین تک پہنچانے میں جتنا وقت لگتا ہے۔ اخراجات کی ٹریکنگ اپنی جگہ ضروری ہے لیکن اخراجات میں ذمہ داری کو یقینی بنانا بھی کم اہم نہیں۔ اس بات پر ایک عام اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ مالی اور غیر مالی مراعات نتائج کو بہتر بنانے میں مدد دیتی ہیں لیکن اس بات کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ یہ منفی ضمنی اثرات کا باعث بھی بن سکتی ہیں۔ یہ ہیں گورننس کے وہ مسائل جو فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔
بجٹ سازی اور سرکاری مالیات کا عمدہ استعمال گورننس کے لازمی اجزاء ہیں۔ پاکستان ان چند ممالک میں سے ایک ہے جو اپنی خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کا تقریباً دو فیصد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ پاکستان کے تعلیمی اخراجات اس کے جنوبی ایشیائی ہمسایہ ممالک کے مقابلے میں خاصے کم ہیں جہاں بھارت اپنے جی ڈی پی کا 3.3 فیصد اور نیپال 4.7 فیصد تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ 13-2012 میں تعلیم پر اصل ترقیاتی اخراجات مختص شدہ رقم کا محض 50 فیصد تھے۔ اوسطاً مختص شدہ فنڈز میں سے 82 فیصد غیر ترقیاتی شعبوں پر خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔
فنڈز کی تخصیص اور ان کے استعمال کے علاوہ اس عمل پر بھی سنجیدہ غور و خوض کی ضرورت ہے جس کے تحت بجٹ تیار کئے جاتے ہیں اور مختلف جغرافیائی علاقوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ایک سوال یہ ہے کہ کیا کوئی ایسا فارمولہ وضع کیا گیا ہے جس کے ذریعے تعلیمی غربت کا حساب لگایا جاتا ہو؟ جو مختلف اضلاع کے لئے وسائل کی تخصیص میں رہنمائی کا کام دیتا ہو؟ ضلع ڈیرہ بگٹی کی مثال کو ہی لے لیں، اسے دیکھ کر آپ کو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ملک میں تعلیمی عدم مساوات کس قدر شدید ہے۔ اس ضلع میں داخلے کی اصل شرح 12 فیصد ہے جبکہ ضلع چکوال میں 81 فیصد ہے۔ ڈیرہ بگٹی میں تعلیم کے تسلسل کا تناسب 9 فیصد اور شرح خواندگی 16 فیصد ہے۔ ملک میں یہی شرحیں اسلام آباد میں سب سے بلند ہیں جہاں یہ بالترتیب 76 فیصد اور 89 فیصد ہیں۔ اصناف کے درمیان بھی عدم مساوات موجود ہے۔ پاکستان میں پرائمری تعلیم کے لئے صنفی مساوات کا انڈکس 0.9 ہے جبکہ اس کے مقابلے میں نیپال اور بنگلہ دیش میں یہ 1.02، بھارت میں 0.98 اور سری لنکا میں 0.99 ہے۔ مختلف اضلاع کو وسائل کی تقسیم کے لئے غربت کے کثیر رخی انڈکس پر مبنی ایک ڈھانچہ جاتی نظام اس نوعیت کی عدم مساوات کے ازالہ میں مدد دے گا جو بصورت دیگر بڑھتی ہی چلی جائے گی۔
تعلیم کے شعبے میں عمدہ طرز حکمرانی خدمات کی موثر انداز میں فراہمی کو فروغ دیتا ہے۔ کارکردگی کی پیمائش کے لئے فوری طور پر ایک ایسے عمدہ نظام کی ضرورت ہے جو محض کوششوں اور کاوشوں (فنڈز کے استعمال)، ثمرات (داخلہ کی شرح) اور نتائج (امتحانات میں طلبہ کے نتائج) تک محدود نہ ہو۔ اس نظام کے تحت تعلیمی نظام کی مختلف سطحوں کے لئے کارکردگی کے اہم اشاریئے طے کئے جا سکتے ہیں۔ متعدد ممالک مثلاً کولمبیا اور میکسیکو نے اپنے آن لائن "ڈیش بورڈ" سسٹم متعارف کرائے ہیں جو حقیقی بنیاد پر تازہ ترین معلومات فراہم کرتے ہیں۔ سینئر سیاسی عہدیداران انہیں استعمال کرتے ہوئے عملدرآمد کی حکمت عملیوں کی افادیت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ حکومت پنجاب نے بھی "پنجاب ایجوکیشن سیکٹر ریفارمز پروگرام" کے لئے ایسا ہی ایک نظام متعارف کرایا ہے۔ وزارت منصوبہ بندی، ترقی و اصلاحات اپنے وژن 2025 اور آئندہ پانچ سالہ منصوبہ کے لئے اسی نوعیت کے ایک نظام پر غور کر رہی ہے۔ کارکردگی کے نظم و نسق کا ایک عمدہ نظام احتساب کا کلچر پیدا کرنے میں ممد و معاون ہو سکتا ہے۔
پاکستان کو اپنے شماریاتی نظاموں پر سرمایہ لگانا ہوگا تاکہ شعبہ تعلیم میں معلومات پر مبنی فیصلہ سازی کے لئے بروقت ڈیٹا اور تجزیہ فراہم کیا جا سکے۔ متوازی ڈھانچے اور طریقے وضع کر دینا ہی اس مسئلے کا حل نہیں بلکہ شماریاتی اداروں کی موجودہ استعداد کو بہتر بنانا ہوگا۔ یہ نئی ٹیکنالوجیز ڈیٹا کے حصول اور نگرانی کے باکفایت طریقوں کا کام دیتی ہیں اور پاکستان کے لئے ایک اچھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے ممالک کے تجربات سے فائدہ حاصل کرے۔
ایک آخری بات، سیاسی سیاق و سباق تعلیم کے حوالے سے یہ طے کرنے میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے کہ کسی منصوبے یا حکمت عملی پر عملدرآمد کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یا اس پر عملدرآمد ہوگا یا نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیائے تعلیم میں جدت کے بعض انتہائی منفرد اقدامات صرف اس لئے ممکن ہوئے کہ سیاسی اشرافیہ نے ان میں خصوصی دلچسپی لی۔ جب تک لوگ مطالبہ نہیں کرتے اور سیاست دان اس پر عمل نہیں کرتے، تعلیم میں دیرپا بہتری کا خواب تشنہ تعبیر رہے گا۔

تجزیہ

تعلیم:
طرزِ حکمرانی کا گورکھ دھندا

ڈاکٹر فیصل باری

ڈاکٹر فیصل باری شعبہ تعلیم سے وابستہ ایک مایہ ناز ماہر معاشیات اور محقق ہیں۔ وہ لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز میں معاشیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ایجوکیشن سپورٹ پروگرام میں سینئر ریسرچر کے طور پر بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پاکستان کے آئین میں کی گئی اٹھارہویں ترمیم کے آرٹیکل 25-A کی منظوری اپریل 2010 میں دی گئی جس کے تحت تعلیم کو بنیادی حق کی حیثیت دے دی گئی۔ چار سال گزر چکے ہیں اور بیشتر اندازوں کے مطابق پانچ سے سولہ سال عمر کے دو کروڑ سے زائد بچے آج بھی سکول سے باہر ہیں۔ اٹھارہویں ترمیم کے ذریعے تعلیم کا شعبہ صوبوں کے حوالے کر دیا گیا۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ مختلف صوبوں یا علاقوں نے اپنی اس نئی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے کیا کچھ کیا ہے جو آرٹیکل 25-A کے تحت ان پر عائد کی گئی تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اس شعبے میں کس قدر پیشرفت ہوئی ہے۔ قانون سازی کے اعتبار سے دیکھیں تو صرف وفاقی دارالحکومت اسلام آباد، سندھ اور بلوچستان نے آرٹیکل 25-A پر عملدرآمد کے لئے قوانین تشکیل دیئے ہیں جبکہ پنجاب اور خیبر پختونخواء میں محض مسودوں پر کام ہوا ہے۔ اسلام آباد نے سب سے پہلے یہ قانون تشکیل دیا لیکن اس پر عملدرآمد کے قواعد وضوابط ابھی تک تشکیل دیئے جا رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ جوابی اقدامات تاحال سست رفتار اور غیر موثر رہے ہیں۔ ایسے میں کیا کچھ عجب ہوگا کہ پاکستان اپنے بیشتر ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (MDGs) پورے نہیں کر پائے گا؟

سوال یہ ہے کہ سب بچے سکول میں کیوں نہیں ہیں اور رسائی کے مسائل پر کس طرح قابو پایا جا رہا ہے؟ جو بچے سکول میں ہیں وہ کیا پڑھ رہے ہیں اور کس قدر اچھے طریقے سے پڑھ رہے ہیں؟ پھر یہ کہ پاکستان کا تعلیمی نظام برابری سے متعلق خدشات کا ازالہ کس طرح کر رہا ہے؟ کیا ہم برابر مواقع کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں؟

رسائی: ہنوز ایک مسئلہ

بچوں کو سکول میں لانے پر نمایاں پیشرفت ہوئی ہے اور صوبوں کے معاملے میں اور ان کی طرف سے چلائی جانے والی تعلیمی مہموں میں بنیادی توجہ رسائی پر دی جا رہی ہے۔ تاہم سیکنڈری سطح کی تعلیم میں سب بچوں کا داخلہ تو درکنار، پاکستان ابھی تک پرائمری سطح کی تعلیم میں سب بچوں کے داخلے کا مقصد بھی حاصل نہیں کر پایا۔ ''پاکستان کے سماجی ورہن سہن کے معیارات'' (PSLM) برائے 2012-13 (جدول 1) کے ڈیٹا سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانچ سے نو سالہ بچوں کے پرائمری سطح کی تعلیم میں داخلے کی حقیقی شرح ابھی بھی صرف 57 فیصد ہے۔ مڈل کی سطح پر یہ 38 فیصد اور ہائی سکول کی سطح پر محض 26 فیصد ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم چھوڑ جانے کا تناسب خاصا بلند ہے اور تکمیل کی شرح ناقص ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہائی سکول کی عمر کے چار میں سے تین بچے سکول میں نہیں جو اس حوالے سے کوئی نیک شگون نہیں کہ ملکی آبادی میں اس وقت اور مستقبل میں نوجوانوں کا ایک نمایاں تناسب دیکھنے میں آتا ہے تو کیا پاکستان اس کو سنبھال پائے گا۔ بعض متعلقہ فریق اکثر آبادی کے ثمرات کی بات کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آبادی کے یہی ثمرات ایک ڈراؤنا خواب بن کر رہ جائیں۔

جدول 1 میں دی گئی فیصد تناسب کی شرحوں میں مزید دو طرح کے تغیر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ پہلا، صوبوں کے درمیان خواندگی اور داخلے کے اعداد وشمار میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ پنجاب کی کارکردگی دیگر صوبوں کے مقابلے میں قدرے بہتر رہی ہے۔ فرق کے بعض پہلو خاصے نمایاں ہیں اور پریشان کن حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ بلوچستان میں چودہ سے پندرہ سال عمر کی صرف 7 فیصد بچیاں سکول جاتی ہیں۔ خیبر پختونخواء میں 18 فیصد کے ساتھ یہ تناسب معمولی سا بہتر ہے۔ یہاں تک کہ مڈل کی سطح پر گیارہ سے تیرہ سال عمر کی صرف 17 فیصد بچیاں سکول میں ہیں۔ یہاں بلوچستان اور دیگر صوبوں کے درمیان فرق کافی نمایاں ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں کے عرصے میں اصناف کے درمیان فرق میں معمولی کمی آئی ہے لیکن ابھی بھی یہ نمایاں ہے یعنی 69 فیصد مردوں کے مقابلے میں 45 فیصد خواتین خواندہ ہیں۔ یہ فرق تقریباً ہر سطح کی تعلیم میں داخلے اور تمام صوبوں میں پایا جاتا ہے۔ پنجاب میں یہ سب سے کم ہے لیکن دیگر صوبوں میں کافی زیادہ ہے۔

	فیصد تناسب	پاکستان	پنجاب	سندھ	خیبر پختونخواء	بلوچستان
بالغ شرح خواندگی	مرد	69	69	72	67	58
	خواتین	45	50	45	30	18
	ٹوٹل	57	59	59	48	39
پرائمری میں (5 سے 9 سال) داخلے کی حقیقی شرح	مرد	61	64	56	59	54
	خواتین	54	62	48	48	35
	ٹوٹل	57	60	52	54	45
مڈل میں (11 سے 13 سال) داخلے کی حقیقی شرح	مرد	40	39	39	44	36
	خواتین	35	40	32	31	17
	ٹوٹل	38	39	36	38	28
ہائی سکول میں (14 سے 15 سال) داخلے کی حقیقی شرح	مرد	28	28	28	31	19
	خواتین	23	27	21	18	7
	ٹوٹل	26	28	25	25	14

جدول 1: بالغ شرح خواندگی اور داخلے کی حقیقی شرح[1]

گزشتہ بیس سال کے عرصے میں داخلے کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی آئی ہے اور اب داخل بچوں کا خاطر خواہ فیصد تناسب ایسا ہے جو غیر سرکاری سکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر نجی، منافع کی خاطر کام کرنے والے سکول ہیں جن کی اکثریت کم فیس والے نجی سکولوں پر مشتمل ہے جہاں ٹیوشن فیس عام طور پر 2,000 روپے ماہانہ فی بچہ سے کم ہوتی ہے۔

2011 میں داخل بچوں کے 30 فیصد سے زائد نجی سکولوں میں پڑھ رہے تھے۔ یہ تناسب حکومتی ڈیٹا پر مبنی ہے جبکہ نجی سکولوں کے خیال میں یہ تناسب قدرے زیادہ ہے۔ بڑے شہروں میں رہنے والے زیادہ تر بچے نجی سکولوں میں جاتے ہیں جبکہ دیہی علاقوں میں بھی یہ تناسب خاصا متاثر کن ہے۔ درحقیقت مائیکرو سطح کے ڈیٹا سے ظاہر ہوتا

ہے کہ بالخصوص پنجاب میں ایسے دیہات کا فیصد تناسب کافی زیادہ ہے جہاں ایک سے زائد نجی سکول موجود ہیں اور بڑے دیہات پر بھی یہ بات بڑی حد تک صادق آتی ہے۔

حسب توقع جغرافیہ کے لحاظ سے بھی نجی سکولوں میں داخلے کے پھیلاؤ کے اپنے رجحانات ہیں۔ پنجاب میں پرائمری سکولوں میں داخل بچوں میں سے 40 فیصد سے زائد نجی سکولوں میں جاتے ہیں۔ بلوچستان میں یہ تناسب دس فیصد سے معمولی سا زیادہ ہے۔ بالعموم نجی سکولوں کا غلبہ بڑے شہروں اور ترقی یافتہ مارکیٹوں میں اور بڑی حد تک پنجاب، شہری سندھ اور خیبر پختونخواء میں زیادہ ہے۔

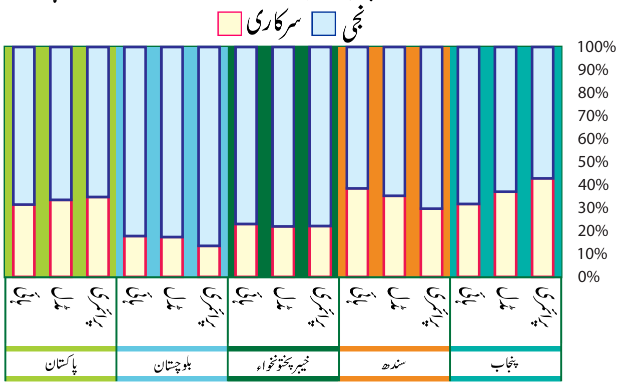

شکل 1: صوبوں کے لحاظ سے اور سکول کی سطح پر سرکاری اور نجی سکولوں میں داخلے کا فیصد تناسب 2011 [2]

آئین کے آرٹیکل 25-A میں پانچ سے سولہ سال عمر کے تمام پاکستانی بچوں کے لئے 'مفت' اور 'لازمی' تعلیم کی فراہمی کی بات کی گئی ہے۔ لیکن پرائمری سطح پر ہی دیکھ لیں تو سب بچوں کے داخلے پر بھی نمایاں پیشرفت نہیں ہوئی حالانکہ صوبے داخلوں پر بنیادی توجہ دے رہے ہیں۔ اب تک جو کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں ان میں صوبوں کے درمیان اور اصناف کے درمیان فرق بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں، ان کامیابیوں کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جو نجی سکولوں کی بدولت ممکن ہوا۔

آرٹیکل 25-A کے تحت کیا گیا وعدہ اس حقیقت کے پیش نظر کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے کہ 30 فیصد سے زائد والدین بچوں کی تعلیم کے لئے پیسے دے رہے ہیں؟ فیس وصول کرنے والے نجی سکولوں کے درمیان اخراجات اور معیار کے اعتبار سے نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔

ریاست ان حالات میں معیاری تعلیم کو کس طرح یقینی بنا سکتی ہے جب فراہمی تعلیم کی صورتحال اس قدر تفریق کا شکار ہے؟

معیار: چشم پوشی کا شکار پہلو

تعلیم پر ہونے والی بحث میں رسائی کا مسئلہ روایتی طور پر سرفہرست رہا۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے سب بچے سکول میں آ جائیں پھر معیار کی طرف دیکھیں گے! یہ بات بڑی حد تک آج بھی سچ ہے اور بیشتر صوبائی حکومتیں ابھی تک 'رسائی سب سے پہلے' کی بات کر رہی ہیں۔ تاہم رسائی اور معیار کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ معیار ناقص رہا تو حقیقی یا خیالی طور پر جو کچھ بچے نجی اور سرکاری اداروں کی طرف لوٹ کر آتے ہیں ان کی تعداد بھی کم ہوتی جائے گی اور والدین شاید بچوں کو سکول بھیجنا ہی چھوڑ دیں۔ یوں داخلے کی شرح کم ہو گی اور سکول چھوڑ جانے والوں کا تناسب بڑھتا جائے گا (جدول 1)۔

شعبہ تعلیم میں ناقص معیار کے تحت کئے جانے والے اقدامات مطلوبہ اثرات مرتب کرنے میں بری طرح ناکام دکھائی دیتے ہیں۔ پرائمری سطح پر معیار تعلیم ناقص ہو تو اعلیٰ سطحوں پر بچوں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے اور یوں روزگار کے لئے ان کی قابلیت بھی محدود رہتی ہے۔

تعلیم کی صورتحال پر سالانہ رپورٹ کے سلسلے میں پاکستان بھر سے بچوں کی ایک بڑی تعداد پر مشتمل نمونہ لیا گیا۔ اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوسطاً پہلی جماعت کے 30 فیصد بچے ایسے تھے جو 10 سے 99 کے درمیان آنے والے ہندسوں کی پہچان کر سکتے تھے، تیسری جماعت کے 40 فیصد بچے ایسے تھے جو تفریق کا سادہ سا سوال حل کر سکتے تھے (شکل 2)۔

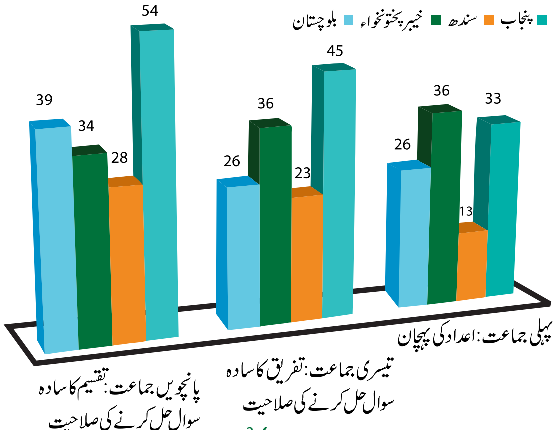

شکل 2: ریاضی کے تدریسی نتائج [3]

اسی طرح زبان دانی میں بھی بچوں کی مہارتیں خاصی ناقص دکھائی دیتی ہیں (جدول 3، 4)۔

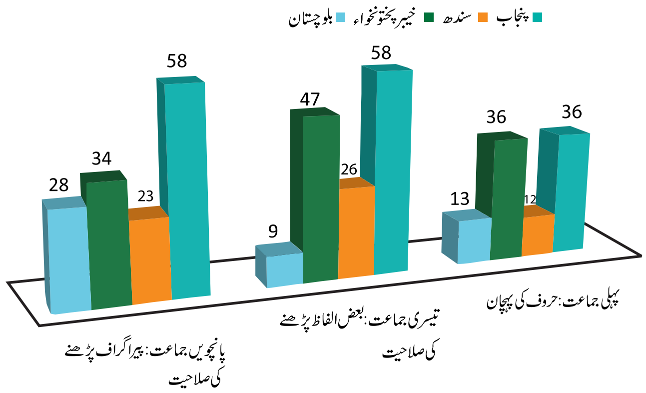

شکل3: انگریزی زبان کے تدریسی نتائج[3]

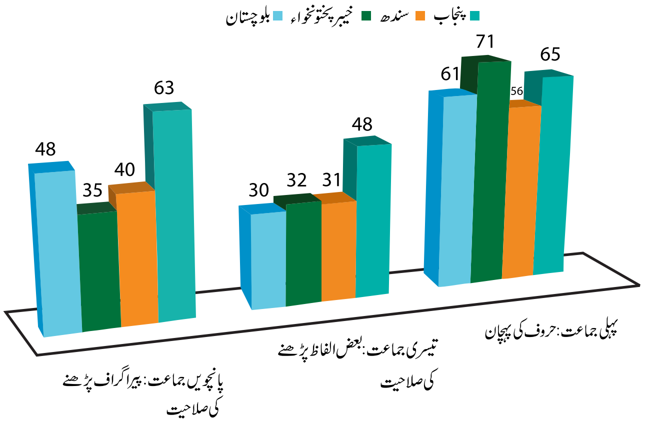

شکل4: علاقائی زبانوں کے تدریسی نتائج (اردو، پشتو، سندھی)[3]

مختلف علاقوں کے درمیان فرق اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس سے برابری کے مسائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ سندھ میں ریاضی کے تدریسی نتائج دوسرے صوبوں کے مقابلے میں پیہم ناقص چلے آ رہے ہیں اور فرق کے پہلو نمایاں ہیں۔ انگریزی زبان کے نتائج میں سندھ اور بلوچستان کی کارکردگی خاصی ناقص رہی ہے (شکل 4)۔ اسلم و دیگر (2011) نے ناقص تدریسی نتائج کو کم از کم جزوی طور پر اساتذہ کی قابلیت سے منسوب کیا (شکل 5)[4]۔ نمونہ کے طور پر لئے گئے اساتذہ میں صرف 36 فیصد ایسے تھے جنہوں نے ضرب کے پیچیدہ سوالات کے درست جواب دیئے۔ اس بناء پر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ جن طلبہ کو یہ ٹیسٹ دیا گیا ان میں سے صرف 5 فیصد درست جوابات دے پائے۔

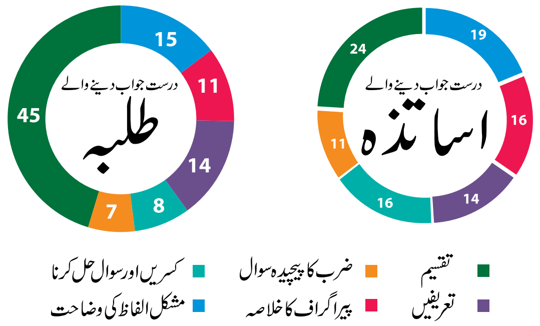

شکل5: تشابہ ٹیسٹوں کی بنیاد پر اساتذہ اور طلبہ کی قابلیت، 2011[4]

شعبہ تعلیم میں اصلاحات پر بحث میں رسائی اور بنیادی ڈھانچے/ ساز و سامان کی دستیابی سے متعلق مسائل نمایاں رہے ہیں۔ معیار کے مسئلے کا ذکر کہیں سننے کو نہیں ملتا۔ سرکاری سکول ہوں یا نجی شعبے کے سکول، پاکستان میں تعلیم کا معیار ہر لحاظ سے خاصا ناقص ہے۔ ناقص معیار رسائی (داخلے) پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے تعلیم کی طرف واپسی کی خیالی یا حقیقی شرح کم ہوتی ہے اور سکول چھوڑ جانے کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے۔ مختلف سکولوں کے معیار کے درمیان بھی خاصا فرق پایا جاتا ہے جس سے معاشرتی عدم مساوات مزید بگڑ جاتی ہے۔

شعبہ تعلیم کا طرز حکمرانی: مسئلے کا ایک جزو

اٹھارہویں ترمیم کے تحت تعلیم، معیارات، نصاب اور تجزیہ کے شعبے مکمل طور پر صوبوں کو منتقل کر دیئے گئے جو ابھی تک یہ نہیں طے کر پائے کہ ان نئی ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوں۔ سکولوں اور اساتذہ کی مینجمنٹ قدرے طویل عرصے سے صوبوں کے پاس ہے پھر بھی رسائی، معیار اور برابری پر اثر انداز ہونے والے بڑے مسائل اپنی جگہ موجود ہیں۔ باری و دیگر (2014) نے پنجاب میں اساتذہ کی بھرتی، تعیناتی و تبادلوں اور ان کے تسلسل سے متعلق بعض مسائل کا جائزہ لیا[5]۔ یہ تحقیق بھرپور نوعیت کی نہیں ہے لیکن اس میں پنجاب، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صوبہ تعلیمی مسائل کے ازالہ میں پیش پیش ہے، میں اساتذہ کی مینجمنٹ سے متعلق مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اساتذہ بلاشبہ شعبہ تعلیم میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اور تعلیمی مقاصد اس وقت تک حاصل نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ اساتذہ پوری لگن کے ساتھ، عمدہ نظم و نسق کے تحت اپنی بھرپور کارکردگی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اساتذہ سے متعلق امور کو معقول انداز میں چلانا پنجاب میں یکے بعد دیگرے برسراقتدار آنے والی حکومتوں کا مقصد رہا ہے۔ نتائج خاصے مایوس کن ہیں اور 2012 میں جو آسامیاں پُر کی گئیں ان کی تعداد منظور شدہ آسامیوں کے ہم پلہ نہیں ہے (شکل 6)۔

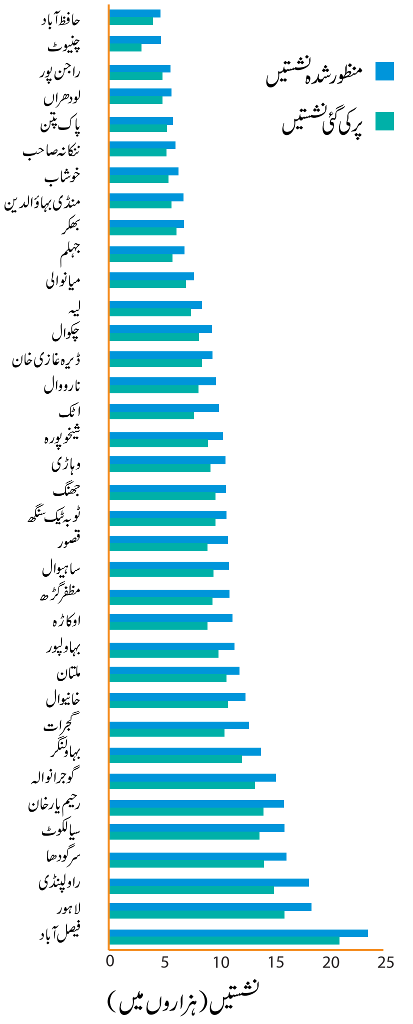

شکل6: ضلع کے لحاظ سے منظور شدہ/ پُر کی گئی آسامیاں، 2012[5,6]

پُر کی گئی آسامیوں اور منظور شدہ آسامیوں کے درمیان فرق بعض صورتوں مثلاً فیصل آباد میں تو کئی ہزار تک چلا جاتا ہے۔ اساتذہ اگر مطلوبہ تعداد میں سکولوں میں موجود نہ ہوں تو داخلے، تعلیم کے تسلسل اور تعلیمی معیار کو یقینی نہیں بنایا جاسکتا۔ پنجاب میں ایک استاد والے سرکاری سکولوں کی تعداد سے اس نکتے کو مزید تقویت ملتی ہے (شکل 7)۔

ایسے سکولوں کا تناسب فیصل آباد میں 2.43 کی پست سطح اور حافظ آباد میں 31.75 کی بلند سطح کے درمیان ہے۔ ایک سکول والے اساتذہ میں یہی ہوتا ہے کہ ایک استاد ایک سے زیادہ کلاسوں کو پڑھاتا ہے، جس سے ظاہر ہے تدریسی معیار متاثر ہوتا ہے۔

پنجاب میں اس وقت اساتذہ سے متعلق امور کو معقول انداز میں چلانے کی چوتھی یا پانچویں پالیسی (Teacher Rationalization Policy) پر عملدرآمد کیا جا رہا ہے لیکن کوئی نمایاں کامیابی دیکھنے کو نہیں ملتی جس کا سبب طلب و رسد کے موجودہ حالات اور حکومت کی طرف سے طلبہ اور اساتذہ کا طے شدہ تناسب 40:1 ہے۔ بیشتر اضلاع ضرورت سے زیادہ رسد یا طلب کے مسائل سے دوچار ہیں۔ ریاست کو اس قابل تو ہونا چاہئے کہ ان امور کو اضلاع کے درمیان نہیں تو کم از کم اضلاع کے اندر معقول انداز میں انجام دے سکے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اگر اساتذہ کے کیریر سے متعلق امور عمدہ طریقے سے نہیں چلائے جائیں گے یا وہ معقول حد تک لگن کے ساتھ اور معاونت کے تحت کام نہیں کریں گے تو تعلیمی نتائج میں بہتری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

تعلیم سے متعلق اصلاحات کے حوالے سے پنجاب کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صوبوں میں سب سے آگے ہے۔ اگر مذکورہ بالا معلومات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ پنجاب میں تعلیمی امور کس طرح چلائے جارہے ہیں تو بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دیگر صوبوں میں صورتحال کیا ہوگی۔

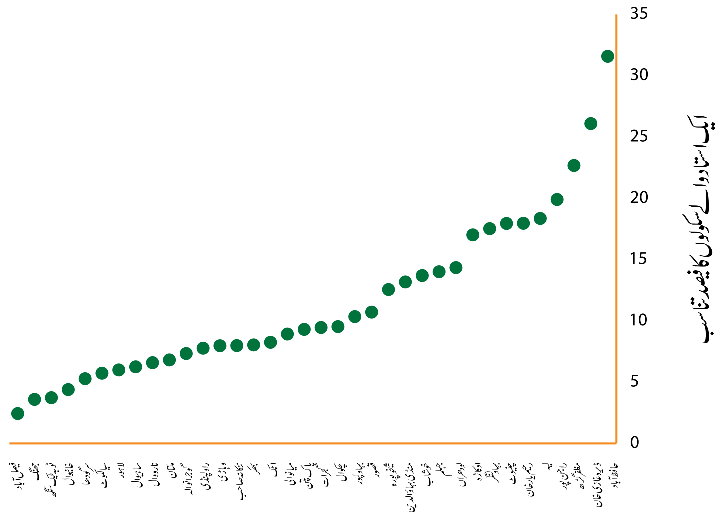

شکل 7: ضلع کے لحاظ سے ایک استاد والے سکولوں کا فیصد تناسب، 2012[5]

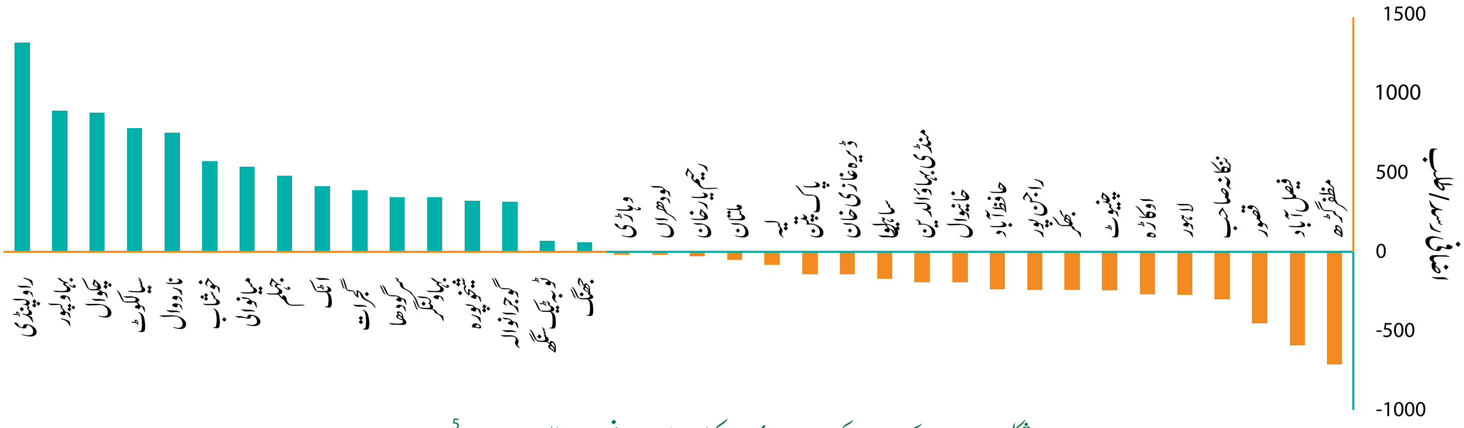

شکل 8: 40:1 کے تناسب کی بنیاد پر پرائمری سکولوں میں اضافی رسد/طلب، 2012[5]

مالی امور کی صورتحال کیا ہے؟

مینجمنٹ کے مسائل سے آگے بڑھیں تو یہ دیکھنے کی بات آتی ہے کہ تعلیم پر کتنی رقم خرچ کی جاتی ہے اور کس طرح خرچ کی جاتی ہے جس سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ تعلیمی نتائج ناقص کیوں ہیں۔ تعلیم کے لئے مختص کی جانے والی مجموعی رقوم (وفاقی اور صوبائی) گزشتہ سال جی ڈی پی کا صرف 1.9 فیصد تھیں اور یہ گزشتہ دو تین سال کے عرصے میں بڑی حد تک جمود کا شکار رہی ہیں (شکل 9)۔

تعلیم پر سرکاری اخراجات پر نظر دوڑائیں تو پاکستان دنیا میں 177 ویں نمبر پر آتا ہے اور دنیا کے صرف سات ترقی پذیر ممالک ایسے ہیں جو تعلیم پر پاکستان کے مقابلے میں کم رقم خرچ کرتے ہیں[7]۔

وزیراعظم نے حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ پاکستان تعلیم پر اپنے اخراجات جی ڈی پی کے چار فیصد تک بڑھائے گا لیکن 2017 یا 2018 تک ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں صوبائی حکومتوں نے تعلیمی بجٹ میں نمایاں اضافے کے جو وعدے کئے تھے وہ بھی پورے نہیں کئے گئے۔ درحقیقت جی ڈی پی کے فیصد تناسب کے طور پر دیکھیں تو مختص کی جانے والی رقوم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

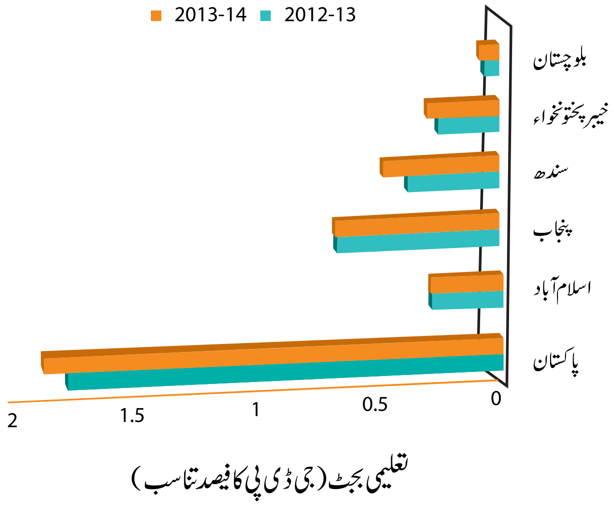

شکل 9: بجٹ میں مختص کی جانے والی رقوم کے رجحانات[8]

©یواین ڈی پی پاکستان

بجٹ میں مجموعی طور پر جو رقوم مختص کی جاتی ہیں ان کا تقریباً 83 فیصد رواں اخراجات کی نذر ہو جاتا ہے جن میں عملہ کی تنخواہیں قابل ذکر ہیں اور صرف 17 فیصد رقوم ترقیاتی امور پر خرچ کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے صوبوں کے درمیان کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بلوچستان نے اپنا 30 فیصد بجٹ ترقیاتی امور کے لئے مختص کیا جبکہ سندھ میں یہ تناسب محض 10 فیصد رہا جو ملک میں سب سے کم ہے۔

بجٹ میں مختص کی جانے والی رقوم اصل بجٹ اخراجات نہیں ہیں۔ بجٹ اخراجات کی رپورٹ مالی سال کے آخر میں تیار کی جاتی ہے۔ 13-2012 میں مجموعی طور پر تمام صوبوں کی طرف سے تعلیمی ترقی پر کئے جانے والے اصل اخراجات اس شعبے کے لئے مختص کی جانے والی رقوم کے 50 فیصد سے کم تھے۔ پنجاب میں فنڈز کے کم استعمال کی شرح 13-2012 میں سب سے کم رہی جہاں تعلیمی ترقی کے لئے مختص کی گئی رقم کا صرف 21.4 فیصد خرچ کیا گیا۔

مستقبل

آئین میں 25-A کا اضافہ کر کے ریاست نے پاکستانی بچوں کے ساتھ ایک وعدہ کیا تھا۔ چار سال گزرنے کے باوجود اس وعدے کی تکمیل نہیں ہو پائی۔ تعلیم کے بنیادی پہلوؤں (رسائی، معیار، برابری، فنڈز کا استعمال) میں سے کسی کا بھی ازالہ نہیں کیا گیا۔ جو رقوم خرچ ہوتی ہیں وہ غیر موزوں ہوتی ہیں اور ان کا استعمال عمدہ طریقے سے نہیں کیا جاتا۔ معاشرے کو یہ طے کرنا ہوگا کہ آیا اس کے منصوبے اس وعدے پر پورا اتر رہے ہیں یا نہیں اور آج کے بچوں کو کل کی دنیا کے لئے تیار کر رہے ہیں یا نہیں۔ یہ فیصلہ کرنا جتنا ریاست کے لئے ضروری ہے اتنا ہی معاشرے کے لئے۔ ریاست کو آبادی کے ثمرات کے عمدہ استعمال اور اس کے ڈراؤنے خواب کو حقیقت کا روپ دھارنے سے روکنے کے لئے فیصلہ کن اقدامات کرنا ہوں گے۔

---

1 پاکستان، شماریات ڈویژن، پاکستان کا سماجی اور رہن سہن کے معیارات (PSLM) کا سروے، 13-2012 (اسلام آباد، شماریات بیورو پاکستان، 2014)۔ ویب سائٹ: http://goo.gl/4xn1y0

2 پاکستان، وزارت تعلیم، تربیت و اعلیٰ تعلیم کے معیارات، پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار 12-2011 (اسلام آباد، اکیڈمی آف ایجوکیشنل پلاننگ اینڈ مینجمنٹ، 2012)۔ ویب سائٹ: http://goo.gl/pM1iUk

3 ادارہ تعلیم و آگاہی، تعلیم کی صورتحال پر سالانہ رپورٹ (ASER)، 2013- قومی (عبوری)، (لاہور، 2014)۔ ویب سائٹ: http://goo.gl/zqXhaK

4 منزہ اسلم، بیلا رضا جمیل، شہنیلہ راول، Teachers and school quality: Some policy pointers from rural Punjab، تحقیقی مقالہ (لاہور، ساؤتھ ایشین فورم فار ایجوکیشن ڈویلپمنٹ، 2011)۔ ویب سائٹ: http://goo.gl/UYbTUw

5 فیصل باری، موزہ سلام، نیلم مقصود، ریحانہ رضا، بسما خان، An investigation into teacher recruitment and retention in Punjab، تحقیقی مقالہ (لاہور، انسٹی ٹیوٹ آف ڈویلپمنٹ اینڈ اکنامک آلٹرنیٹوز، 2014)، ویب سائٹ: http://goo.gl/wtWuQ1

6 باری و دیگر (2014) نے ایجوکیشن مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم، 2012 کا ڈیٹا استعمال کیا۔

7 خالد ملک و دیگر، ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ 2013، The Rise of the South: Human Progress in a Diverse World (نیویارک سٹی، نیویارک، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، 2013)، ویب سائٹ: .http://goo.gl/gQfhVK

8 الف اعلان، ''14-2013 کے تعلیمی بجٹ پر الف اعلان کا تجزیہ''، 10 جولائی 2013۔ ویب سائٹ: http://goo.gl/6XoOWV

آراء

عرفان مظفر

ایکسٹرنل ریسرچ فیلو

لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز

عرفان مظفر ایک استاد ہونے کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے معلم اور شعبہ تدریس کے محقق بھی ہیں۔ ان کی موجودہ تحقیق اساتذہ کی تعلیم کے مرکز، کثیرلسانی سیاق وسباق میں ریاضی کی تعلیم اور تعلیمی اصلاحات کی سیاست سے متعلق ہے۔ ان کی تخلیقی کاوشیں کئی جرائد میں شائع ہو چکی ہیں اور وہ تعلیم سے متعلق مسائل پر ہفتے میں دو بار کالم بھی تحریر کرتے ہیں۔

اگست 2013 میں 'پنجاب اگزامینیشن کمیشن' (پی ای سی) نے صوبے کے پرائمری اور مڈل سکولوں کے کئی اساتذہ کو اظہار وجوہ کے نوٹس جاری کیے جن میں اساتذہ کی ناقص کارکردگی پر وضاحت طلب کی گئی۔ یہ نوٹس 'پنجاب ایمپلائیز ایفیشنسی، ڈسپلن اینڈ اکاؤنٹیبلٹی ایکٹ، 2006' کے تحت جاری کیے گئے۔ ''ناقص کارکردگی'' کی تعریف سادہ سی تھی۔

ایسے اساتذہ کی کارکردگی ناقص تھی جن کے پانچویں اور چھٹی جماعت کے بچوں میں پاس ہونے کا تناسب 25 فیصد یا اس سے کم تھا۔ قبل ازیں پنجاب حکومت اساتذہ کی کارکردگی کو ان کی تنخواہوں، ترقیوں اور تبادلوں کے ساتھ جوڑتے ہوئے کارکردگی پر مبنی مراعات کے اپنے منصوبوں کا اعلان کر چکی ہے۔

اساتذہ کے لئے کارکردگی پر مبنی مراعات کی مقبولیت دنیا بھر میں بڑھ رہی ہے۔ اس ماڈل کے پس پردہ تبدیلی کا نظریہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ اساتذہ کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ یہ معقول بھی ہے اور اس کے حق میں شواہد بھی ملتے ہیں۔[1] دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ طلبہ کی کامیابی کی بنیاد پر کارکردگی کی مراعات اساتذہ کے رویئے میں کئی ایسی تبدیلیاں لا سکتی ہیں جو طلبہ کی تدریسی کامیابیاں بہتر بنانے میں مدد دیں گی۔ سیدھی اور سادہ سی بات ہے کہ یہ خیالات پالیسی سازوں کے لئے مددگار رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ''امتحانی کارکردگی پر مبنی احتساب'' (Test-based accountability) تعلیم میں بہتری کے لئے اپنایا جانے والا طریقہ بن رہا ہے۔

امتحانی کارکردگی پر مبنی احتساب کی پالیسیوں کے ذریعے تدریسی کامیابیوں کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جو ایک لائق تحسین مقصد ہے۔ تاہم دنیا بھر سے سامنے آنے والے شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پالیسیاں اساتذہ کے لئے بگاڑ پر مبنی مراعات پیدا کر کے شاید اپنے ہی مقاصد کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب جانچ پڑتال کے اقدامات (امتحانات یا ٹیسٹوں) سے بہت زیادہ مفادات جڑے ہوں اور ایسے حالات میں ان فریقوں کو، اگر ممکن ہو تو، ٹیسٹ کے نتائج پر اثر انداز ہونے کی صورت میں مراعات ملتی ہیں۔ امتحانی کارکردگی پر مبنی احتساب کے اثرات پر دستیاب مواد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پالیسیاں طلبہ کے لئے مراعات پیدا کرتی ہیں کہ وہ ناروا طریقے اپناتے ہوئے سسٹم کے ساتھ کھلواڑ کریں جبکہ اساتذہ پست کارکردگی والے طلبہ کو امتحانوں میں بیٹھنے سے حوصلہ شکنی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔[2]

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو امتحانی کارکردگی پر مبنی احتسابی پالیسیوں سے قطع نظر امتحانات میں بدعنوانیوں کی لعنت پہلے ہی ہوشربا حد تک بڑھ چکی ہے۔ یہ ایک جانی مانی حقیقت ہے کہ گورننس کا نظام خاصا کمزور ہے اور تعلیمی بورڈ اور دیگر حکام کے پاس اس قدر وسائل نہیں ہیں کہ امتحانی بدعنوانیوں کی موثر انداز میں روک تھام کر سکیں۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت کہ امتحانات سے بہت سے مفادات جڑے ہوتے ہیں، ایسے میں ناروا طریقوں کا استعمال معمول کی بات بن کر رہ جاتی ہے۔ مسائل اس وقت سامنے آنے لگتے ہیں جب اساتذہ کی کارکردگی کا تجزیہ طلبہ کی کارکردگی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

ناروا طریقوں کا استعمال امتحانی کارکردگی پر مبنی احتسابی پالیسیوں کا ایک رخ ہے۔ یہاں تک کہ امتحانات کتنی ہی دیانتداری کے ساتھ عمدہ انتظامات کے تحت کیوں نہ کیے جائیں اساتذہ کی کارکردگی کے پیمانہ کے طور پر ان کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کبھی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ امتحانات میں اچھے یا برے نمبر استاد کی کارکردگی کی درست عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے اسباب میں متعدد عوامل شامل ہیں جو تدریس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور تدریس ان میں سے ایک ہے۔ یہاں تک کہ جب تدریسی معیار پر کنٹرول کی بات آتی ہے تو ایک ہی ٹیسٹ میں مختلف طلبہ بے پناہ حد تک مختلف نتائج دکھا سکتے ہیں جن کا انحصار سیاق وسباق کے مختلف عوامل پر ہوتا ہے جیسے طلبہ کا سماجی و معاشی پس منظر، سکول کے بعد ٹیوشن کا استعمال، اور والدین کی تعلیم وغیرہ۔

طلبہ کی کارکردگی میں فرق کی وضاحت جہاں تدریس کے علاوہ دیگر کئی عوامل کے ذریعے کی جا سکتی ہے وہیں یہ بھی کوئی معقول بات نہیں لگتی کہ اساتذہ کی کارکردگی کی جانچ پرکھ کے لئے طلبہ کے امتحانی نتائج پر انحصار کر لیا جائے۔ بلاشبہ بعض 'مشکل بچے' ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک استاد سے اچھی طرح نہیں پڑھ پاتے اور اسی استاد کے دیگر طلبہ کی کارکردگی اوسط سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔ تعلیمی پالیسی کے ممتاز تجزیہ نگار ڈیانے ریوچ کے مطابق:

''پپو اگر سوموار کو ایک ٹیسٹ دیتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ ایک ہفتہ بعد وہ وہی ٹیسٹ دے اور اس میں کم یا زیادہ نمبر حاصل کرے جس کا انحصار کئی باتوں پر ہوتا ہے جیسے پپو کا موڈ، اس کی صحت، موسم، کمرہ امتحان کا ماحول یا کچھ بھی۔ ٹیسٹوں میں بعض اوقات غلطیاں یا ابہام بھی ہوتے ہیں۔ یہ وہ کمزور ٹہنیاں ہیں جن سے طلبہ، اساتذہ اور سکولوں کی قسمت اور مستقبل دونوں لٹک رہے ہوتے ہیں۔''[3]

امتحانی نمبروں کو اس صورت میں غلط استعمال کیے جانے کا ڈر بھی ہوتا ہے جب یہ اساتذہ یا سکولوں کو سزا دینے کا آلہ کار بن جائیں۔ ایسی صورت میں امتحانی کارکردگی پر مبنی احتسابی پالیسیوں کی کامیابی کا امکان دکھائی نہیں دیتا۔ الٹا یہ ہو سکتا ہے کہ ساری توجہ نصاب سے ہٹ کر بہتر امتحانی نمبروں پر مرکوز ہو جائے۔ اساتذہ اور سکول اظہار وجوہ کے نوٹسز اور جمود کا شکار تنخواہوں سے بچنے کے لئے سسٹم کے ساتھ کھلواڑ کرنے لگیں۔ امتحانی کارکردگی پر مبنی احتساب کے یہی اثرات گلوبل نارتھ میں بھی سامنے آ چکے ہیں کہ امتحانی نمبر اوپر رکھنے کے لئے کلاس روم میں نقل کی جاتی اور تعلیمی معیار پست ہوتا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ امتحانی کارکردگی پر مبنی مراعات کے متبادل کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ تجزیہ کے مقصد پر دوبارہ توجہ مرکوز کی جائے۔ مثالی صورتحال تو یہ ہو سکتی ہے کہ ٹیسٹوں اور امتحانات میں طلبہ کی کامیابی کے ڈیٹا سے اساتذہ کو مدد ملے کہ وہ اپنے تدریسی طریقوں پر سوچ بچار کریں اور انہیں بہتر بنائیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسائل کا باعث بننے والے پہلوؤں کی نشاندہی کی جائے اور اساتذہ، اساتذہ کے تربیت کاروں اور تعلیمی منصوبوں پر سرمایہ لگانے والے ترقیاتی اداروں کو جوابی آراء فراہم کی جائیں۔ ان میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں جس کے لئے اساتذہ کے انعام یا سزا کو طلبہ کی کارکردگی کے ساتھ جوڑنا پڑے۔

---

1 ایرک اے ہانوشیک، سٹیون جی ریوکن، Teacher Quality، Handbook of Economics of Education، ایرک اے ہانوشیک، ایف ویلچ، مدیران، (ایمسٹرڈیم، ایلسویئر بی وی، 2006)، حوالہ میں دیا گیا باب اس ویب سائٹ پر دستیاب ہے: http://goo.gl/hT7G6e

2 ایوا ایل بیکر، پال ای بارٹن، لنڈا ڈارلنگ ہیمنڈ، ایڈورڈ ہائرٹیل، ہیلن ایف لیڈ، رابرٹ ایل لن، ڈیانے راویچ، رچرڈ روتھسٹین، رچرڈ جے شیولسن، لوری اے شیپرڈ، Problems with the use of student test scores to evaluate teachers، ای پی آئی بریفنگ پیپر نمبر 278 (واشنگٹن ڈی سی، اکنامک پالیسی انسٹی ٹیوٹ، 2010)، ویب سائٹ: http://goo.gl/nnY8mr

3 ڈیانے راویچ، Pass or fail، نیو ریپبلک (مارچ 2010)، ویب سائٹ: http://goo.gl/1L3OLt

امتحانی کارکردگی پر مبنی احتساب اور اس کے مایوس کن پہلو

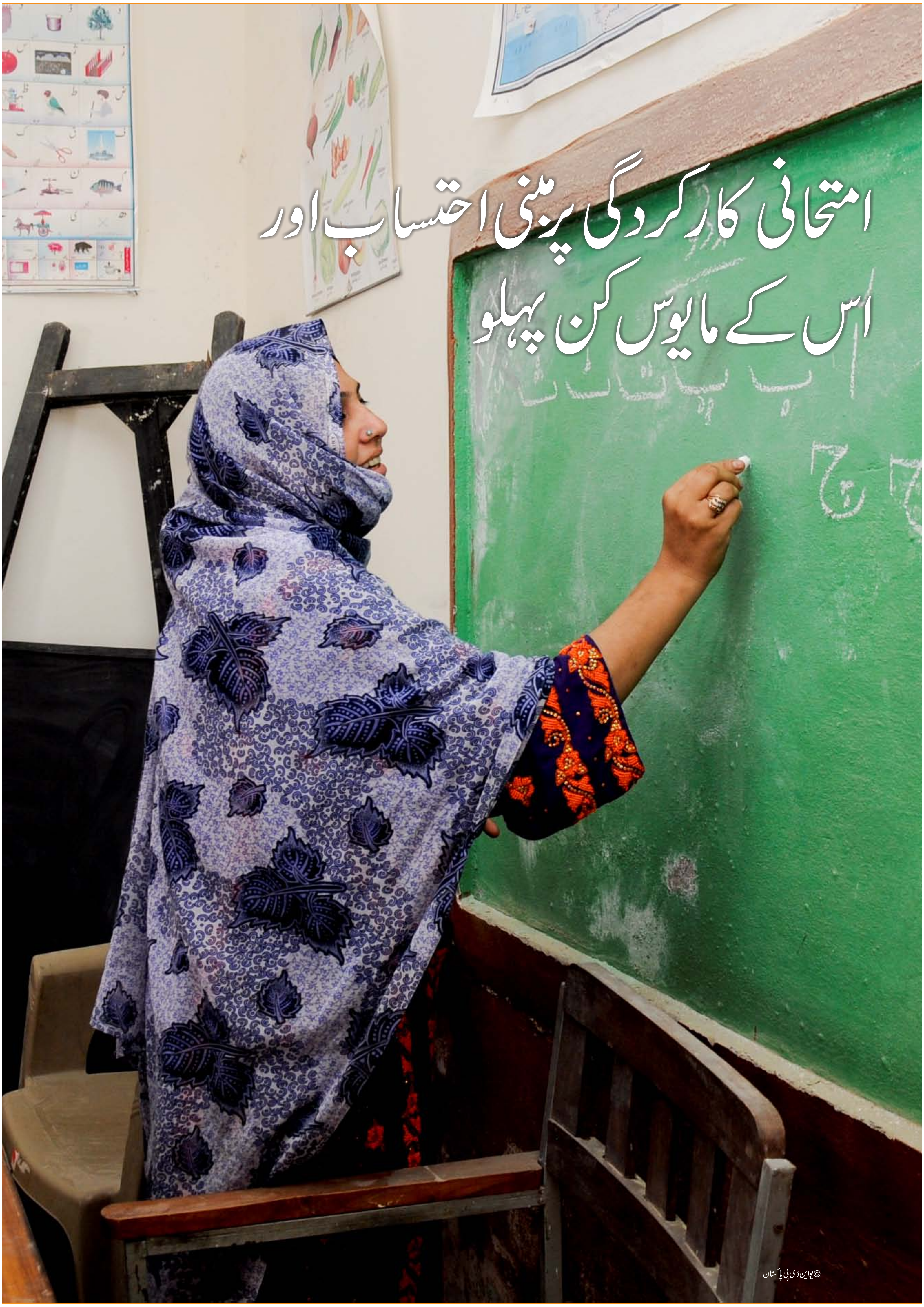

©یواین ڈی پی پاکستان

تجزیہ

نگرانی و جانچ پرکھ میں جدت و اختراعات

شکیل احمد

پالیسی سپیشلسٹ
اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ پاکستان

شکیل احمد ان دنوں اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ پاکستان میں ڈویلپمنٹ پالیسی یونٹ کے سربراہ ہیں۔ وہ غربت کی نگرانی، ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) اور بعداز 2015 کے ترقیاتی ایجنڈا پر اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کی قیادت کررہے ہیں۔

نگرانی و جانچ پرکھ کا ایک بھرپور نظام عمدہ طرز حکمرانی کا دوسرا نام ہے کیونکہ یہ احتساب اور شفافیت کے لئے شواہد مہیا کرتا ہے۔ نگرانی و جانچ پرکھ کے موثر نظام کے لئے ضروری ہے کہ یہ عملدرآمد کے شعبے سے آزاد ہو، قدرے کم خرچ ہو اور معلومات پر مبنی فیصلہ سازی کے لئے زمینی معلومات فراہم کرے۔ ٹیکنالوجی اس قدر ترقی کرچکی ہے کہ اس کی بدولت ہمیں مختلف طریقوں اور ان کی بدولت ہونے والی پیشرفت کی نگرانی و جانچ پرکھ کے لئے درکار ذرائع میسر ہیں جن کے ذریعے ایسے ڈیزائنوں کا تعین کیا جاسکتا ہے اور انہیں بہتر بنایا جاسکتا ہے جو شعبہ تعلیم میں مطلوبہ جدت واختراع کا باعث بن سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ (یواین ڈی پی) اور اقوام متحدہ کے دیگر اداروں نے پیمائش و جانچ پرکھ کے ان نئے طریقوں اور تصورات پر کچھ سوچ بچار کی ہے اور پالیسیوں، پروگراموں، کاوشوں اور خدمات کی فراہمی کے اثرات کی پیمائش کے ان نئے طریقوں کی تشکیل اور ان کے مشاہدہ یا تجزیہ میں پیش پیش ہیں۔ متعدد ایسے عوامل ہیں جو جانچ پرکھ اور جوابی رائے کے ان نئے طریقوں اور ٹیکنالوجیز کی تشکیل کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کررہے ہیں۔ یہ عوامل درج ذیل ہیں:

نگرانی و جانچ پرکھ کے لچکدار اور تیز رفتار طریقوں کی ضرورت: حالات اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں کہ ان کی پیش بینی کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے اور اس ماحول میں ضرورت اس امر کی ہے کہ پیمائش و جانچ پرکھ کے لئے زیادہ لچکدار اور توانائی سے بھرپور طریقے اپنائے جائیں اور پالیسیوں کو تیزی کے ساتھ اور موثر طریقے سے ان کے مطابق ڈھالا جائے۔ محض روایتی نظاموں سے اب کام نہیں چلے گا۔

تبدیلی کے نظریات فوری نتائج کا تقاضا کرتے ہیں جن کی فوراً پیمائش کی جاسکے اور ان پر فوراً عمل کیا جاسکے: پالیسیوں، پروگراموں اور خدمات کی فراہمی کو عمدہ طریقے سے چلانے اور ان کا معیار یقینی بنانے کے لئے تیز چکر کی پیمائش (fast-cycle measurable) ایک مفید طریقہ ہے۔

سول سوسائٹی کی طرف سے احتساب کے مطالبات میں اضافہ: دنیا بھر میں سول سوسائٹی کی سرگرمیوں اور توانائیوں میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے جس کی بناء پر وہ زیادہ شفافیت اور عوامی احتساب کے مطالبات کو آگے بڑھارہے ہیں۔ اس کے لئے مستقل بنیاد پر ڈیٹا کا حصول اور بھرپور انداز میں نگرانی و جانچ پرکھ ضروری ہے۔

خدمات کی فراہمی اور جانچ پرکھ کی پیچیدگیوں میں اضافہ: پروگراموں پر عملدرآمد اور خدمات کی فراہمی کا عمل دن بہ دن پیچیدہ ہورہا ہے جبکہ سماجی، معاشی، ماحولیاتی اور سیاسی سباق وسباق ہر لمحہ بدل رہے ہیں۔ نگرانی و جانچ پرکھ کا کوئی ایک طریقہ ان تمام مختلف عوامل کے درمیان روابط کو پوری طرح بیان نہیں کرسکتا اور ان کا تجزیہ نہیں کرسکتا۔

ان تمام عوامل نے مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کردیا ہے جو جدت واختراع کے لئے سازگار ہے۔ یہ طریقے منصوبہ بندی سے عملدرآمد اور نگرانی و جانچ پرکھ تک پروگرام کے تمام تر چکر (cycle) کے دوران زیادہ شمولیت، اشتراک اور جوابی سوچ پر مبنی عمل کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کی بدولت کوششوں و کاوشوں اور جوابی آراء کے تواتر میں اضافہ ہوا ہے اور متعلقہ فریقوں تک زیادہ بہتر رابطہ ورسائی ممکن ہوئی ہے جن میں وہ فریق بھی شامل ہیں جو روایتی طور پر ترقی کے عمل کا حصہ نہیں ہوا کرتے تھے۔

ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ جدت ترقی کے عمل کے لئے خاصی فائدہ مند رہتی ہے کیونکہ اس کی بدولت تبدیلی کے نظریات کی آزمائش تواتر کے ساتھ ہوتی رہتی ہے اور بروقت، شواہد پر مبنی اصلاح کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ پالیسیوں اور پروگراموں کی تشکیل اور خدمات کی فراہمی میں سب سے زیادہ متاثرہ آبادی کو ساتھ ملانے سے رکاوٹوں کی نشاندہی آسان رہتی ہے۔ تنظیمیں اس صورت میں بہتر نتائج حاصل کرتی ہیں جب وہ ان معلومات کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور ان کے پاس ایسے نظام موجود ہوں جو اس قدر لچکدار ہوں کہ اس پر جوابی اقدامات کرسکیں یعنی پالیسیاں جتنی زیادہ لچکدار ہوں گی پروگرام اتنے زیادہ موثر اور خدمات کی فراہمی اتنی بہتر ہوگی۔

نگرانی و جانچ پرکھ کی ٹیکنالوجیز میں پیشرفت

حالیہ عرصے کے دوران نگرانی و جانچ پرکھ کی ٹیکنالوجیز میں کئی اختراعات متعارف کرائی گئی ہیں۔ یہ جدت درج ذیل مطلوبہ معیار کے کم وبیش دو تقاضوں پر پورا اترتی ہے:

یہ پیمائش و جانچ پرکھ کے عمل میں نمایاں بہتری کا باعث بنتی ہے

نگرانی و جانچ پرکھ میں جدت ان ٹیکنالوجیز، مصنوعات، خدمات اور طریقوں یا روابط کی بدولت پیدا ہوتی ہے جو اسے انجام دینے کے طریقوں پر نمایاں اثرات مرتب کرتے ہیں (یعنی جدت محض برائے نام جدت نہ ہو) یا اسے بدلنے کی واضح استعداد ظاہر کرتے ہیں تاکہ نگرانی سے حاصل ہونے والی معلومات اور جانچ پرکھ سے سامنے آنے والی معلومات کی افادیت کو بہتر بنایا جاسکے۔ عام طور پر جو جدت شاندار اثرات مرتب کرنے کی استعداد رکھتی ہو وہ نگرانی و جانچ پرکھ کے کلیدی تقاضوں یا مشکلات کا ازالہ بھی کرتی ہے۔

یہ تبدیلی کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے

جدت محض بہتر، تیز تر یا کم خرچ نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ بتدریج تبدیلی تک محدود ہوتی ہے بلکہ یہ مروجہ عناصر کی تشکیل نو کرتی ہے، انہیں ایک نیا تخیل عطا کرتی ہے یا انہیں ایک نئے انداز میں جوڑتی ہے جس کی بدولت نگرانی و جانچ پرکھ کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نگرانی و جانچ پرکھ کے پرانے اطوار سے نکلنے کے لئے اکثر باہر والوں کے ساتھ یا غیر روایتی پارٹنرز کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔

یہ ٹھوس ہوتی ہے

نگرانی و جانچ پڑتال میں جدت خاطر خواہ حد تک ٹھوس ہوتی ہے۔ خیالات اور نظریاتی لائحہ عمل کو جدت نہیں کہا جاسکتا (البتہ یہ جدت کا باعث ضرور بن سکتے ہیں)۔ جدت اس صورت میں ٹھوس ہوتی ہے اگر اس پر پہلے سے عملدرآمد ہو رہا ہو (کم و بیش آزمائشی بنیاد پر سہی)، اسے بعینہ دوسری جگہوں پر دوبارہ استعمال کیا جاسکے اور مختلف سیاق وسباق اور خطوں میں اس کا اطلاق و پیمائش ممکن ہو۔ درج ذیل جدول میں اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ اور اقوام متحدہ کے دیگر اداروں کے ساتھیوں کی وسیع تحقیق اور تجزیہ کی بنیاد پر 11 اختراعات کی نشاندہی کی گئی ہے:

کراؤڈ سورسنگ	لوگوں کی ایک بڑی تعداد جو موبائل فون اور اوپن سورس سافٹ ویئر (Open Source Software) کے ذریعے اپنے اردگرد کی صورتحال پر فعال طریقے سے رپورٹنگ کر رہے ہوں	زمینی، سادہ رپورٹنگ	پروگرام اور پراجیکٹ منیجرز کے لئے رسمی رپورٹنگ کے تقاضوں کو کم سے کم سطح تک لانے کا ایک طریقہ جس کی بدولت انہیں زیادہ فالتو وقت مل سکے کہ وہ زیادہ تواتر کے ساتھ تازہ ترین زمینی معلومات فراہم کرسکیں جن میں ٹیکسٹ (Text)، تصویریں اور ویڈیوز شامل ہوسکتی ہیں۔
شمولیت پر مبنی شماریات	ایک ایسا طریقہ جس میں مقامی لوگ اعداد و شمار تیار کرتے ہیں۔ شمولیت پر مبنی طریقوں کو گروپوں کی ایک بڑی تعداد میں بعینہ دوبارہ استعمال کیا جاتا ہے اور مقدار پر مبنی بھرپور ڈیٹا تیار کیا جاتا ہے۔	موبائل ڈیٹا کا حصول	موبائل فون، ٹیبلٹ یا پی ڈی اے پر ایک خصوصی سافٹ ویئر کے ذریعے منظم معلومات کا ہدف کے مطابق حصول۔
چھوٹی چھوٹی باتیں	زمینی مسائل اور معاشرتی تبدیلیوں کے بارے میں گہرائی تک معلومات حاصل کرنے کے لئے خصوصی مرحلہ وار ریاضیاتی طریقوں (Special Algorithms) کو استعمال میں لاتے ہوئے شہریوں کی مختصر کہانیاں جمع کرنا۔	ڈیٹا ایگزاسٹ	لوگ جس طرح ڈیجیٹل سروسز مثلاً موبائل فون اور مختلف ویب سائٹوں مثلاً خبری میڈیا اور سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہیں اس سے بڑے پیمانے پر آپس کے میل جول پر مجہول انداز میں ڈیٹا جمع کرنا۔
انٹیلی جنس انفراسٹرکچر	انفراسٹرکچر یا مختلف آئٹمز مثلاً سڑکوں، پلوں، عمارتوں، واٹر ٹریٹمنٹ سسٹمز، ہاتھ دھونے کے مقامات، بیت الخلاؤں، کھانا پکانے کے چولہوں کے ساتھ کم خرچ الیکٹرانک سنسر لگانا جن کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات تک دور سے رسائی حاصل کی جاسکے (Remotely Accessible)۔	ریموٹ سنسنگ	مواصلاتی سیاروں، طیاروں یا دیگر فضائی آلات سے حاصل ہونے والی معلومات کے ذریعے دور افتادہ اہداف کا مشاہدہ اور تجزیہ۔
ڈیٹا ویژولائزیشن	ڈیٹا کو تصویری اور انٹرایکٹو انداز میں پیش کرنا جس کے لئے ویڈیوز، انٹرایکٹو ویب سائٹس، انفوگرافکس، ٹائم لائنز، ڈیٹا ڈیش بورڈ، نقشوں وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔	جانچ پرکھ کا کثیر سطحی مرکب طریقہ	پیچیدہ طرز کی بالخصوص فراہمی خدمات کے نظاموں کی جانچ پرکھ کے لئے ایک سے زائد سطحوں پر مرکب، جو معیار اور مقدار دونوں پر مبنی ہو، طریقوں کا سوچے سمجھے انداز میں بڑے پیمانے پر تخلیقی استعمال۔
آؤٹ کم ہارویسٹنگ	جانچ پرکھ کا ایک طریقہ جس میں پہلے سے طے شدہ نتائج پر ہونے والی پیشرفت کی پیمائش نہیں کی جاتی بلکہ یہ شواہد جمع کئے جاتے ہیں کہ کیا کچھ حاصل کیا گیا اور الٹے پاؤں چلتے ہوئے یہ طے کیا جاتا ہے کہ آیا یہ پراجیکٹ یا اقدامات تبدیلی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور کس طرح کر رہے ہیں۔		

کاوشوں و کوششوں کے تو ابر اور شہریوں کی شمولیت میں اضافہ ان میں سے بیشتر اختراعات کی اہم ترین خوبیاں ہیں اور ان میں سے زیادہ تر اختراعات اجراجات سے آگاہی پر مبنی لچکدار طریقے پیش کرتی ہیں جن کے ذریعے پالیسیوں، پروگراموں اور فراہمی خدمات کو عمدہ طریقے سے چلایا جاسکتا ہے اور ان کے معیار کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

یہ اختراعات شہریوں کی فعال اور مجہول دونوں طرح کی شمولیت کو فروغ دیتی ہیں اور حاصل کردہ معلومات کی افادیت اور رسائی کو بہتر بناتی ہیں، اور نتائج کی زیادہ قابل اعتبار انداز میں پیمائش اور تشریح کے ترقی پسندانہ طریقے پیش کرتی ہیں۔

ان میں سے بیشتر ایسی ہیں جو ایک دوسرے سے جڑی ہیں۔ مثال کے طور پر موبائل ڈیٹا کے حصول اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے طریقوں کو ملا کر استعمال کرتے ہوئے کسی بھی کاوش کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر مہیا کئے جاسکتے ہیں۔

مثال کے طور پر کراؤڈ سورسنگ کی بدولت لوگوں کی ایک بڑی تعداد موبائل فون ٹیکنالوجی اور اوپن سورس سافٹ ویئر کے ذریعے اپنے اردگرد کی صورتحال کے بارے میں فعال رپورٹنگ کرسکتی ہے۔ اس کی عمدہ مثالوں میں Ushahidi (http://ushahidi.com)، I paid a bribe (www.ipaidabribe.com) اور (http://harassmap.org/en/HARASSmap) شامل ہیں۔

یہ اختراعات پاکستان میں پہلے سے کام کر رہی ہیں اور بعض تو ایسی ہیں جن کی شروعات ہی پاکستان سے ہوئی۔ پنجاب حکومت کی طرف سے ڈینگی کے جواب میں کھڑے پانی والے مقامات کی رپورٹنگ ہو یا شعبہ تعلیم میں غیر حاضر اساتذہ یا گھوسٹ سکولوں کی رپورٹنگ، کراؤڈ سورسنگ کی بدولت نگرانی و جانچ پرکھ سب کے لئے فائدہ مند صورتحال پیدا کرتی ہے۔ یہ شہریوں کی عظیم تر شمولیت (اور اس کے نتیجے میں بہتری) کا باعث بن سکتی ہے، اتنے بڑے پیمانے پر ڈیٹا کے حصول میں مدد دیتی ہے جو روایتی طریقوں سے ممکن نہیں (مہمیز کا کام دیتی ہے) اور پاکستان سمیت کئی ممالک میں اپنی حیثیت منوا چکی ہے (ٹھوس)۔

حاصل بحث

مذکورہ بالا کئی ٹیکنالوجیز پاکستان میں تعلیمی ایمرجنسی کے ازالہ میں مدد دے سکتی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جوں کی توں کی صورتحال سے نکال سکتی ہیں۔ جہاں کہیں ممکن ہو ان ٹیکنالوجیز کا استعمال ہونا چاہئے۔ تاہم انہیں ہمارے مقاصد اور اقدامات میں معاونت کا کام دینا چاہئے اور ایسا نہ ہو کہ ہم ٹیکنالوجی کے مرہون منت ہو کر رہ جائیں اور پھر یہ ٹیکنالوجیز تیار کرنے والے ڈویلپرز اور فراہم کرنے والے وینڈرز کے ہاتھوں یرغمال بن کر رہ جائیں۔

تاالبتہ محض ٹیکنالوجی بھی کافی نہیں۔ مراعات کے نظاموں کو تعلیمی بیوروکریسی میں اس طرح ڈھالنا ہوگا کہ یہ ہمارے مقاصد سے بہتر طور پر ہم آہنگ ہوں۔ لوگ اور ادارے بڑی حد تک دیانتدار/صاف ستھرے یا بددیانت/بدعنوان نہیں ہوتے بلکہ حالات اور چیک اینڈ بیلنس کے نظام انہیں ایسا بنا دیتے ہیں۔ پاکستان میں گھوسٹ سکولوں اور گھوسٹ اساتذہ کا مسئلہ نگرانی کے نظاموں کے ساتھ ساتھ مراعات کے نظاموں یعنی کارکردگی کی بنیاد پر ادائیگی، کو بروئے کار لاتے ہوئے بآسانی دور کیا جاسکتا ہے۔

یہ آرٹیکل اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے Monitoring and evaluating results بحثی مقالہ (نیویارک سٹی، نیویارک، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ، 2013) پر مبنی ہے۔ ویب سائٹ: http://goo.gl/GMcW6P

نجی سکول: 'کج فہمی کا شکار' تعلیمی شعبہ

عبدالسمیع خان

ڈائریکٹر، پالیسی ریسرچ
پبلک پالیسی ریویو سنٹر (پی پی آر سی)

عبدالسمیع خان سرکاری پالیسی سے متعلق پیشہ ورانہ ماہر ہیں جو زیادہ تر تعلیمی پالیسی و منصوبہ بندی پر کام کرتے ہیں۔ اس وقت وہ فاٹا میں شعبہ تعلیم کی منصوبہ بندی اور محکمہ تعلیم بلوچستان کی تعمیر استعداد سے متعلق خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پاکستان کا نجی شعبہ تعلیم، جہاں اس وقت صرف پنجاب[1] میں تقریباً پچاس فیصد بچے داخل ہیں، بعض پیچیدہ وجوہات کی بناء پر موضوع بحث بنا ہوا ہے اور اس کے مضمرات اس سے کہیں زیادہ ہیں جن کا احاطہ تحقیقی اور پالیسی سطح کے جوابی اقدامات میں کیا جاتا ہے۔ اس شعبے سے جو خطرات درپیش ہیں اور یہ جو مواقع مہیا کرتا ہے ان کی بناء پر اس شعبے کو قدرے سنجیدگی کے ساتھ لینے کی ضرورت ہے۔ فی الوقت ایک متوازی نجی شعبہ بے ڈھنگے انداز میں تیزی کے ساتھ مسلسل پھیل رہا ہے جس کی نہ تو کوئی واضح شکل ہے اور نہ ہی اس کی سمت کا کوئی تعین کیا جا رہا ہے۔ ریاست کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ کسی بھی دوسرے بنیادی حق کی طرح تعلیم کے شعبے کے حوالے سے بھی ریاست قطع تعلقی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اس میں کامیابی کے لئے پہلے اسے خود اپنی اصلاح کرنا ہوگی، نجی شعبے کو تعلیم کے پھیلاؤ کے ایک ذریعہ کے طور پر دیکھنا ہوگا اور کسی بھی پالیسی کے اطلاق سے پہلے اس شعبے کو پوری طرح سمجھنا ہوگا۔

نجی شعبہ تعلیم کی افزائش کا ایک بنیادی سبب اکثر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ سرکاری سکولوں کا معیار ناقص ہے۔ تاہم یہ معاملہ محض معیار کے اس حقیقی یا خیالی فرق تک ہی محدود نہیں۔ والدین اپنے بچوں کی سلامتی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اگر انہیں معلوم ہو کہ قریبی سکول میں استاد موجود ہے تو وہ اسے وہیں بھیجیں گے۔ معیار کے فرق، بشرطیکہ والدین اس اصطلاح کو پوری طرح سمجھتے ہوں، کے حوالے سے پایا جانے والا فہم اتنا زیادہ کردار ادا نہیں کرتا جتنا اسے بیان کیا جاتا ہے۔ قریبی سرکاری سکول کا فاصلہ بھی اور کچھ نہیں تو والدین کو اس طرف ضرور مائل کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نجی سکول میں بھیجیں۔

کم خرچ نجی سکولوں کی افزائش بڑے شہروں میں ایک شہری رجحان کے طور پر شروع ہوئی۔ اس نے ایسا اثر دکھایا کہ یہ سکول پاکستان بھر کے چھوٹے چھوٹے قصبوں اور حتیٰ کہ دیہی علاقوں میں بھی پھیل گئے۔ عام فہم کے برعکس طویل فاصلے اور راستے کی دشواریاں محض دیہی علاقوں کا طرہ امتیاز نہیں۔ شہر جس طرح پھیل چکے ہیں اور دیہی علاقوں سے لوگ جس طرح شہری علاقوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں اس کی وجہ سے آبادی کے مراکز قریبی سرکاری سکولوں سے کافی دور ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ قریبی سکول کی فیس سے زیادہ آمد و رفت پر اخراجات آ جاتے ہیں اور پھر سلامتی کا مسئلہ، خاص طور پر لڑکیوں کے لئے، اس پر مستزاد ہے۔ یہ حقائق بڑے شہروں اور چھوٹے قصبات، دونوں جگہ موجود ہیں، جو منتقل ہوتی آبادی کے لئے پڑاؤ کا کام دیتے ہیں۔

سرکاری سکولوں کی منصوبہ بندی کو زیادہ گنجان آباد صوبوں میں شہری و دیہی دونوں طرح کے علاقوں کے نئے اور بدلتے ہوئے آبادیاتی پہلوؤں کے تقاضوں کے مطابق نہیں ڈھالا گیا۔ شہری مراکز میں آخری بار چالیس سے ساٹھ سال پہلے سکول بنائے گئے تھے جس کا بنیادی سبب اراضی کی ہوشربا قیمتیں ہیں جن کے باعث حکومت کو اراضی کے مفت عطیات نہیں ملتے اور سرکاری شعبے کی منصوبہ بندی روکھی سوکھی پر گزارے والی سوچ پر مبنی ہوتی ہے۔

معیار کا خیالی فرق، خاص طور پر انگریزی سیکھنے کی ضرورت، ایک اور ذیلی عامل کا کردار ادا کرتا ہے۔ ''لرننگ اینڈ ایجوکیشنل اچیومنٹ ان پنجاب سکولز'' (LEAPS) سٹڈی کے مطابق دیہی پنجاب میں نجی سکولوں کی تدریسی کامیابیاں قدرے بہتر دکھائی دیتی ہیں اور نجی سکولوں کی طلب اس لئے زیادہ سمجھی جاتی ہے کہ والدین اسی کو

معقول سمجھتے ہیں۔ سٹڈی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس میں تدریس میں پائے جانے والے فرق کے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا جس کا سبب سرکاری سکولوں کی طرف سے طے کئے گئے انتہائی پست معیارات ہیں۔ اسی بناء پر کم فیس والے نجی سکولوں کے طلبہ کے نتائج عملی زندگی میں سرکاری سکولوں کے بچوں سے زیادہ مختلف نہیں ہوتے۔ یوں موجودہ معیار کے تحت (بعض) والدین کی یہ خواہش ادھوری رہ جاتی ہے کہ وہ بھی کسی طرح اشرافیہ کے دائرے میں شامل ہوسکیں۔

یہ فرق اوراس شعبے کا حجم صوبوں میں نجی وسرکاری شعبے کے درمیان پارٹنرشپس کی تشکیل کا باعث بنے جنہیں اکثر ترقیاتی شعبے کی معاونت حاصل رہی۔ ان پارٹنرشپس کے نزدیک نجی سکولوں کا 'بہتر معیار' ایک موقع ٹھہرا۔ اس میں یہ دبا دبا سا خیال بھی کارفرما تھا کہ سرکاری شعبہ کسی بھی بہتری کی صلاحیت سے عاری ہے۔ تاہم اب یہ سامنے آنے لگا ہے کہ یہ لوگ، قطع نظر اس کے کہ انہوں نے کون سے ماڈل استعمال کئے اور ان کی حدود کیا تھیں، اس بات کا ادراک نہ کر پائے کہ مسئلہ کس قدر بڑا ہے اور ریاست کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ پنجاب میں اس نوعیت کی سب سے بڑی کاوش بعض عمدہ نتائج اور استعداد کے باوجود باقاعدہ سرکاری شعبے کے مقابلے میں پانچ سے چھ فیصد تک کا بھی احاطہ نہ کر پائی۔ رجحان اب واپس سرکاری سکولوں کی طرف منتقل ہونے لگا ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ اپنے بہترین انداز میں آگے بڑھ رہا ہوگا۔

وقت کے ساتھ نجی وسرکاری شعبے کی پارٹنرشپ اور روایتی سرکاری شعبہ ایک دوسرے کے متوازی اور بیشتر صورتوں میں مخالف ڈھانچوں اور تصورات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان مخاصمت اور بداعتمادی بھی بڑھتی جارہی ہے اور یہی حال کسی ریگولیشن کے بغیر کام کرنے والے متوازی نظام کے طور پر نجی شعبے کی ہئیت میں موجود مواقع اور مشکلات کا ہے۔

ریگولیشن کی ضرورت اپنی جگہ اہم ہے۔ ایک بنیادی حق کے طور پر ریاست کے طے شدہ معیارات کے اندر رہتے ہوئے ہر بچے کو تعلیم کی فراہمی ضروری ہے۔ نجی شعبہ اپنے سکولوں کے لئے کوئی معیارات تشکیل دینے اور ان پر عملدرآمد میں ناکام رہا ہے جس کی بناء پر نجی سکولوں پر کوئی ریگولیشن عائد کرنے کے لئے اس کی قانونی حیثیت اور اتھارٹی بہت کم ہو کر رہ گئی ہے۔ ریگولیشن پر ریاستی تجاویز میں اکثر نجی سکولوں کے اساتذہ کی تنخواہوں اور تعلیمی قابلیت کو ہدف بنایا جاتا ہے کیونکہ سرکاری سکولوں کو ان دونوں لحاظ سے برتری حاصل ہے (بنیادی ڈھانچہ اس کا تیسرا پہلو ہے)۔ ریاستی مداخلت کی تاریخ کے پیش نظر نجی شعبے کو ڈر ہے کہ ریاست اس کے امور میں ناروا مداخلت کرے گی اس لئے وہ ریگولیشن کی کسی بھی تجویز پر مزاحمت کرتا ہے۔

اس جوں کی توں صورتحال کا طول پکڑنا متعدد خطرات کا باعث بنتا ہے۔ پہلا، کم فیس والے نجی سکولوں کی تعلیم کے نتائج پر والدین کا عدم اطمینان وقت کے ساتھ بڑھنے لگے گا اور یوں وہ سماجی تقسیم بھی بڑھتی جائے گی جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سکولوں میں پڑھائی جانے والی 'انگریزی' اسے دور کر دیتی ہے۔ دوسرا، نجی سکولوں میں پڑھائے جانے والے مواد اور خیالات پر حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ یہ بے خبری سنگین خطرات کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے خاص طور پر ایک ایسے ملک میں جو انتہا پسندی کے خطرے سے دوچار ہے۔ آخری بات، ریاست نجی شعبے کے تمام بچوں کو معیاری تعلیم کی فراہمی کے لئے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ ریاست ہی ہے جو ملک میں معیاری تعلیم کی اقدار طے کرسکتی ہے۔

ریاست کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اس شعبے میں نجی اداروں کی موجودگی میں وہ بنیادی ڈھانچے پر سرمایہ کاری نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس کی ضرورت پڑے گی۔ شہری مراکز پر یہ بات خاص طور پر صادق آتی ہے۔ اسے اپنے اندرونی حالات کا جائزہ لینا ہوگا، اپنا معیار بہتر بنانا ہوگا، اپنی تعلیم کو زیادہ جامع بنانا ہوگا اور وسیع تر پالیسی فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ ایک ریگولیٹڈ نجی شعبہ ریاست کے طے کئے ہوئے معیارات کے مطابق تعلیم فراہم کرے۔ موجودہ ریاستی استعداد کے ساتھ اس مقصد کا حصول بعید از قیاس لگتا ہے لیکن امید بہرحال باقی ہے۔ اٹھارہویں ترمیم کے بعد شعبہ تعلیم کی صوبوں کو منتقلی اور جمہوری عمل کے تسلسل نے تعلیم کو تمام صوبائی حکومتوں کی اولین ترجیح بنا دیا ہے۔ حالیہ تاریخ کے کسی بھی دور کے مقابلے میں اس وقت ان حکومتوں سے کہیں زیادہ دلچسپی اور سنجیدگی کی توقع رکھنا بجا محسوس ہوتا ہے۔ امید یہی کی جاتی ہے کہ اب بہتر معلومات پر مبنی تعلیم دوست جوابی اقدامات کئے جائیں گے اور طلبہ کو مرکزی حیثیت دینے والی پالیسی میں نجی شعبے کو بھی شامل کیا جائے گا۔

آئین کے آرٹیکل 25-A، جو پانچ سے سولہ سال عمر کے تمام بچوں کے لئے لازمی اور مفت تعلیم کی بات کرتا ہے، کے اہداف کا حصول ایسے کسی لائحہ عمل کے بغیر کہیں زیادہ دور از کار کی بات بن سکتا ہے۔

---

1 پاکستان، Private School Census 2011-12 (لاہور، محکمہ تعلیم - سکول، 2012)

آراء

مشرف زیدی

کیمپین ڈائریکٹر
الف اعلان

مشرف زیدی پاکستان کے مایہ ناز کالم نگار ہیں اور عطیہ دینے والے ادارے اور حکومت کے لئے مشاورتی خدمات انجام دیتے ہیں۔ وہ اپنی تحقیق اور تجزیہ میں وسیع نوعیت کے موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں جن میں تعلیم، امداد وتعمیر نو، بااختیار شہری اور عوامی سفارت کاری شامل ہیں۔

سیاسی مسائل میں سے دو چار ہی ایسے ہیں جن پر پاکستان اس طرح متحد دکھائی دیتا ہے جیسے یہ تعلیم پر ایک ہے۔ سیاسی جماعتیں، نسلی طبقات اور صوبے، سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ تمام بچے عمدہ تعلیم کے حقدار ہیں۔ پھر بھی 5 سے 16 سال عمر کے اڑھائی کروڑ بچے سکول سے باہر ہیں اور پانچویں جماعت کے تمام بچوں میں سے نصف اس قابل بھی نہیں کہ وہ کام کر کے دکھا سکیں جن کی اہلیت دوسری جماعت کے بچے میں ہونی چاہئے۔

تعلیم کی خاطر لگی بندھی اپیلوں میں سب شریک بن جاتے ہیں۔ لیکن جب سب کے لئے تعلیم کی خاطر درکار تبدیلی کے مختلف پہلوؤں کو عملی شکل دینے کی بات آتی ہے تو یہ تقریباً ناممکن ہو کر رہ جاتی ہے۔ بحثوں پر بحثیں ہوتی ہیں، جو گھسی پٹی باتوں تک آ پہنچتی ہیں لیکن کوئی ایک جامع فہرست طے نہیں ہو پاتی کہ کیا کچھ فوری طور پر کرنا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہو پاتا۔ اسے تبدیل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے۔

سازگار سیاسی ماحول 'بہتر تعلیم' کے نعرے کو حقیقت کا روپ دینا ایک کٹھن سیاسی عمل ہے۔ ایک غیر موثر اتفاق رائے کو ایک عملی بحث، جو ٹھوس اصلاحات کو آگے بڑھائے، کا روپ دینا بھی ایک سیاسی عمل ہے۔ ہم تعلیمی نتائج کی موجودہ صورتحال کو اس وقت تک نہیں بدل پائیں گے جب تک کہ ہم یہ نہیں جان لیتے کہ اس عمل کی نقشہ بندی کس طرح کی جاتی ہے، اسے کس طرح آگے بڑھایا جاتا ہے اور اس کے لئے گفت وشنید کیسے کی جاتی ہے۔

سیاست ضرورت پر نہیں بلکہ مطالبے پر جوابی اقدام کرتی ہے۔ شعبہ تعلیم میں اصلاحات کی ضرورت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن اس جوں کی توں صورتحال کو اس وقت تک تبدیل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی اس ضرورت کو ایک باقاعدہ شکل نہ دے اور دوسرے اس کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں۔ ہمیں ایک ایسے فریم ورک کی ضرورت ہے جو سیاق وسباق کی روشنی میں تعلیم کی ضرورت کو ایسے سیاسی مطالبات کی شکل دے جو اس قابل ہوں کہ دیگر زیادہ نمایاں مفادات، لابیوں اور مسائل کے مقابل اپنی جگہ بنا سکیں۔ ہمیں تعلیم کو سیاست کے ساتھ اسی طرح جوڑنا ہو جس طرح قومی سلامتی، پاکستان کی شناخت، بین الاقوامی دباؤ اور معاشی و مالیاتی دباؤ جیسے امور اس کے ساتھ جڑے ہیں۔

سب سے پہلے شاید قومی سلامتی ہے جو پاکستانی سیاست میں سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ پاکستان بارہا سلامتی سے متعلق بحرانوں سے گزر چکا ہے اور اس نے اپنے ہمسایہ ممالک اور غیر ریاستی عناصر کے ساتھ مسلح تنازعات کا مقابلہ بھی کیا ہے۔ دوسرا، بحیثیت ملک پاکستان ابھی کم عمر ہے جہاں سیاست میں شناخت اور کلچر جیسے مسائل کافی حساس سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستانی شناخت کو کوئی خطرہ درپیش آئے یا اس پر کوئی حرف گیری کی جائے تو ایک دھواں دھار بحث چھڑ جاتی ہے۔ تیسرا، بین الاقوامی دباؤ پاکستان میں سیاسی بحثوں کا ایک لازمی جزو ہے اور جب اسے تعمیری انداز میں بروئے کار لایا جائے تو یہ اصلاح کی تحریک پیدا کرنے اور اس کی حمایت میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ چوتھا، معاشی و مالیاتی دباؤ پاکستان کے سیاسی منظرنامے کے اہم پہلوؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اشرافیہ کتنی ہی لٹیری کیوں نہ ہو اسے اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کے لئے کم سے کم بنیادی وسائل ضرور درکار ہوتے ہیں۔ یہ وسائل اس وقت تک مہیا نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ ایک بھرپور معاشی فریم ورک اپنی جگہ موجود نہ ہو۔ پیسہ اور معاشی استحکام کی اپنی ایک اہمیت ہے اس لئے ریونیو کا حصول اور اخراجات سیاسی بحث کا لازمی جزو ہیں۔

پاکستان میں تعلیمی اصلاحات کو سیاست کے ساتھ اسی صورت میں جوڑا جا سکتا ہے اگر یہ دباؤ کے ان چار میں سے کسی نکتے کو ابھارنے میں کامیاب رہیں۔

کیا پانچ کروڑ ناخواندہ نوجوانوں پر مشتمل کوئی قوم محفوظ رہ سکتی ہے؟ تعلیم کے علمبرداروں کو یہ دلیل اپنانی چاہئے کہ یہ اصلاحات قومی سلامتی کے لئے ناگزیر ہیں۔

کیا کوئی قوم ایک ایسی صورتحال میں اپنی بات پورے اعتماد کے ساتھ کر سکتی ہے جہاں صرف ناکامیوں کو خوب اچھالا جاتا ہو اور کامیابیوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہو؟ تعلیم کے علمبرداروں کو چاہئے کہ ان کامیابیوں کو سامنے لائیں۔

کیا بین الاقوامی برادری کسی ایسی قوم کے بارے میں سنجیدہ طرزعمل اپنا سکتی ہے جو اپنے دوستوں اور خیرخواہوں کے دست شفقت کے بغیر اپنے لوگوں کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہ کر سکتی ہو؟ تعلیم کے علمبرداروں کو چاہئے کہ وہ بین الاقوامی تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور اصلاح کی مقامی کوششوں کی حمایت میں اضافہ کریں۔

کیا کوئی قوم تعلیم یافتہ افرادی قوت کے بغیر معاشی لحاظ سے ترقی کر سکتی ہے؟ تعلیم کے علمبرداروں کو چاہئے کہ وہ تعلیم کو ایک معاشی مسئلہ بنائیں اور بتائیں کہ ناکامی کا خمیازہ کیا ہے اور کامیابی کے ثمرات کیا ہیں۔

تبدیلی کی جستجو عوامی عزم اور غالب اشرافیہ کے مفادات کو جمہوری نظام حکومت میں یکجا کر دیتی ہے۔ بہتر تعلیم کا عوامی عزم پہلے سے موجود ہے جس کا اندازہ نجی شعبہ تعلیم کی بے پناہ افزائش اور ان سروے نتائج سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اس مطالبے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر آپ بین الاقوامی تجربات سے سبق حاصل کرتے ہوئے تعلیم کو قومی سلامتی، شناخت اور معیشت کا تقاضا بنا دیں تو یہ مطالبہ زیادہ پرزور اور زیادہ سیاسی بن جائے گا۔ عام لوگوں کی آواز جب اس زبان میں بلند ہو گی جو پاکستانی اشرافیہ کی سمجھ میں آتی ہے تو تبدیلی کا امکان مزید بڑھ جائے گا۔

تعلیم کے لئے تبدیلی کا نظریہ دراصل سیاست دانوں یعنی عوام کے نمائندوں کی طرف سے سامنے آنا چاہئے۔ بامعنی تبدیلی کا امکان اس وقت تک محدود رہے گا جب تک کہ سیاست دان اس ایجنڈا کو اپنا ایجنڈا نہ بنا لیں، اس کے علمبردار اور اس کے نگہبان نہ بن جائیں۔ ہم یہ سب اس بناء پر جانتے ہیں کہ پالیسی پر کام کرنے والی سیاست سے پاک برادری گزشتہ دو نسلوں سے اصلاحات کی کوششوں میں لگی ہے۔ یہ لوگ تعلیم کو ایک تکنیکی مسئلہ سمجھتے رہے ہیں اور انہوں نے اسے سیاست سے نکالنے کی کوشش کی لیکن یہ ایک ناکام تجربہ تھا۔ ٹیکنوکریٹس نے پاکستان کی تعلیمی ایمرجنسی کو برقرار رکھنے اور اسے شدید تر بنانے میں مدد دی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تدریسی ماہرین کو ایک طرف کر دیں۔ پالیسی پر کام کرنے والی برادری تبدیلی کے نظریہ کے لئے معلومات، ڈیٹا، مفروضوں، حقائق کی پڑتال اور عملدرآمد کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ لیکن اصل میں کیا کچھ تبدیل ہونا ہے اور کس طریقے سے ہونا ہے اس کی سیاسی ملکیت بہت ضروری ہے۔

علاوہ ازیں سیاسی ملکیت میں یہ حقیقت بھی نظر آنی چاہئے کہ تعلیمی اصلاحات محض ایک بار کی بات نہیں۔ اصل تبدیلی ایک عمل ہے جو کم وبیش ایک نسل تک تو جاری رہے گا اور سیاسی اختیار کے بغیر یا اس صورت میں بھی اس کا حصول ممکن نہیں اگر مطلوبہ تبدیلی پر ہر سیاسی پارٹی کا اپنا اپنا وژن ہو۔ تبدیلی کے کسی بھی نظریہ کی وسیع تر ملکیت ناگزیر ہے جسے ہر طرح کی سیاسی جماعتیں اپنانے کو تیار ہوں۔

پاکستان کا سیاسی طبقہ اپنی تمام تر مفاد پرستی کے باوجود ماضی میں کم از کم یہ ثابت کر چکا ہے کہ وہ فوری قومی مفاد کے مسائل پر نتیجہ خیز اتفاق رائے کی صلاحیت ضرور رکھتا ہے۔ یہ اتفاق رائے اسی صورت ممکن ہے کہ تعلیم کو ایک ایسے مسئلے کے طور پر پیش کیا جائے جس کے ہاتھوں اپنی بقاء داؤ پر لگی ہے۔ ایسا ہو گیا تو پھر لیڈر اس بارے میں ضرور سوچیں گے کہ تبدیلی لانے کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔

سیاسی انداز میں سوچنے اور عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی ٹیکنوکریٹس والی ان حدود سے نکلنے کے لئے تیار ہو جائیں جو ہمیں کوئی خطرہ مول لینے سے روکتی ہیں۔ عوامی بحث کس قدر سادہ یا مفاد پرستی پر مبنی ہے ہمیں اس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ہمیں چاہئے کہ اس بحث کے رجحانات کو تعلیمی بحث پر غالب نہ آنے دیں۔ ہمیں مزید مسائل میں الجھنے سے پہلے عوامی بحث میں اتفاق رائے پر مبنی ایسی باتوں کو تحفظ اور فروغ دینا ہو گا جو فوری اور بامعنی تبدیلیوں کا موقع پیدا کریں۔ ہمیں تعلیم کے حق سے محروم اڑھائی کروڑ بچوں کی خاطر تعلیم میں اصلاحات کی بحث کو فی الفور سیاست سے جوڑنے کے لئے کام کرنا ہو گا۔

1 ماخوذ: مشرف زیدی، 'The politics of education reform - towards a theory of change for education in Pakistan'، مارچ فار ایجوکیشن کیمپین، پاکستان ایجوکیشن ٹاسک فورس (2010)، ویب سائٹ: http://goo.gl/IJ17Q7

تعلیمی اصلاحات اور سیاست

©یواین ڈی پی پاکستان

تجزیہ

سکول کی سہولیات اور تعلیمی نتائج:

ایک ابتدائی جائزہ

آصف سعید میمن

ایسوسی ایٹ ریسرچ فیلو
سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ (ایس ڈی پی آئی)

آصف سعید میمن کی سرگرمیوں میں تعلیم، طرز حکمرانی واحتساب اور معاشی پالیسی پر تحقیق اور پالیسی ایڈووکیسی شامل ہیں۔

ثمن ناز

ڈیٹا اینڈ ایویڈنس منیجر
الف اعلان کیمپین

ثمن ناز شعبہ آبادیات کی ماہر ہیں اور شماریاتی تجزیہ و سروے کی تشکیل اور مینجمنٹ کا خاطر خواہ تجربہ رکھتی ہیں۔ وہ زیادہ تر تعلیم، تولیدی صحت اور آبادیاتی امور پر کام کرتی ہیں۔

سکول سہولیات پر سرمایہ کاری کو پاکستان میں تعلیمی پالیسی سازی اور سکول اخراجات کے مرکزی جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ اس حقیقت کا اثر ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں اور علاقوں میں ایسے سکولوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو بجلی، پانی، درست حالت میں بیت الخلاء اور محفوظ عمارت جیسی بنیادی سہولیات کے بغیر ہی چل رہے ہیں۔

مسئلے کی اہمیت اس بناء پر اجاگر ہوتی ہے کہ تعلیم پر ہونے والی قومی بحث میں سکول سہولیات کا ذکر باقاعدگی کے ساتھ سننے کو ملتا ہے۔ سکولوں کے بارے میں حکومتی ڈیٹا پر نظر دوڑائیں تو ''کمیاب سہولیات'' (Missing Facilities) (عام طور پر اس کے لئے استعمال کی جانے والی اصطلاح) کا ذکر کافی زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

والدین کی طرف سے اکثر سکولوں میں کمیاب سہولیات اور اساتذہ کے غیر حاضر ہونے کی شکایت زیادہ کی جاتی ہے۔ میڈیا پر بھی تعلیم کے حوالے سے جو رپورٹنگ ہوتی ہے اس میں سے اچھا خاصا ایئر ٹائم اور اخباری کالم کمیاب سہولیات اور گھوسٹ سکولوں سے متعلق ہوتے ہیں۔

آخری بات یہ کہ تمام بڑی سیاسی جماعتوں نے انتخابی مہم کے دوران نئے سکولوں کی عمارات، اساتذہ کی تنخواہوں اور سکولوں میں بہتر سہولیات پر خرچ کی جانے والی رقوم میں اضافے کے وعدے کئے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ کیا سکول سہولیات میں آنے والی بہتری تعلیمی نتائج میں وسیع پیمانے پر بہتری کا باعث بنتی ہے؟ متعدد شائع شدہ تحقیقی رپورٹیں جن میں ترقی پذیر ملکوں کے سیاق وسباق میں سکولوں کے وسائل اور تعلیمی نتائج کے درمیان تعلق کا جائزہ لیا گیا، بے نتیجہ رہی ہیں[2]۔ پاکستان کے معاملے میں اس بات کی برائے نام وضاحت ملتی ہے کہ بہتر سکول سہولیات کو اساتذہ کی بھرتی وتربیت میں بہتری، والدین کے کردار میں اضافہ، نصاب کی تشکیل وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ ترجیح کیوں دی جاتی ہے۔

ہم پہلی کوشش کے طور پر سکول سہولیات پر مسلسل سرمایہ کاری کے پیچھے چھپی منطق کا جائزہ لیتے ہیں۔ الف اعلان کی سالانہ تعلیمی رینکنگ کے سلسلے میں ترتیب دیئے گئے اضلاع کے مجموعی ڈیٹا کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں بنیادی ڈھانچے کی بہتری سے تعلیمی نتائج میں بہتری کے ملے جلے شواہد ملتے ہیں۔

سکول سہولیات میں بہتری کا تعلق دیگر تعلیمی نتائج کے مقابلے میں داخلہ کے ساتھ زیادہ مضبوط دکھائی دیتا ہے۔ بچیوں کے داخلے پر یہ بات خاص طور پر صادق آتی ہے۔ تاہم بعض انتباہ انگیز پہلو بھی موجود ہیں۔

پہلا، یہ اس ڈیٹا کا ابتدائی جائزہ ہے اور اس کے مزید مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ہم باہمی تعلق (Correlation) کو استعمال کرتے ہوئے تعلیمی نتائج کی پیائش اور سکولوں میں بنیادی ڈھانچے کی پیائش کے درمیان تعلق کا جائزہ لیتے ہیں۔ یوں اسباب کے درمیان براہ راست تعلق اخذ کر لینا قبل از وقت ہوگا۔ دوسرا، ہم دیگر تغیرات (Variables) مثلاً آمدنی کی سطحوں اور بجٹ کو قابو میں نہیں لاتے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو باہمی تعلق سے ظاہر ہونے والے کسی مثبت تعلق کی نفی کریں۔

الف اعلان کی تعلیمی رینکنگ[3]

تجزیہ کے مقاصد کے لئے ہم الف اعلان کی تعلیمی رینکنگ کے سلسلے میں تیار کئے گئے دو تعلیمی سکورز کو استعمال کرتے ہیں۔ اس رینکنگ میں ضلعی سطح کے دو مختلف 'سکورز' کا حساب لگایا گیا ہے۔ تعلیمی سکور جس کا حساب مجموعی طور پر تعلیمی نتائج کی نمائندگی کے لئے لگایا جاتا ہے، داخلے کی خام شرح، خواندگی، کامیابی کے سکورز، پانچویں جماعت تک تسلسل کی شرح[4] اور داخلے وتسلسل میں صنفی تناسب پر مبنی مرکب حساب (Composite Calculation) ہے۔ جدول 1 میں رسائی، حصول، کامیابی اور صنفی برابری کی نمائندگی کے لئے استعمال کئے گئے تغیرات کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

تغیر	اشاریہ	ڈیٹا کے ذرائع
رسائی (Access)	6 سے 10 سالہ بچوں کے داخلہ کی خام شرح	پی ایس ایل ایم[5]، اے ایس ای آر[6]
حصول (Attainment)	پانچویں جماعت تک تسلسل کی شرح	این ای ایم آئی ایس[7]
کامیابی (Achievement)	دس سال سے زائد عمر میں شرح خواندگی	پی ایس ایل ایم
	انگریزی اور/اردو پڑھنے اور بنیادی حساب کرنے کی صلاحیت میں پانچویں جماعت کے بچوں کا کامیابی کا سکور	اے ایس ای آر
صنفی مساوات	داخل بچوں وبچیوں اور پانچویں جماعت تک تعلیم جاری رکھنے والوں کے تناسب کی بنیادی صنفی مساوات کا انڈکس	این ای ایم آئی ایس

جدول 1: تعلیمی سکور کے اجزاء

ہم نے تعلیمی سکور کا جائزہ بنیادی ڈھانچہ کے پانچ اجزاء کے لحاظ سے سکولوں کی رینکنگ کے ساتھ اس کے باہمی تعلق کی بنیاد پر لیا۔ اس تعلق کی قوت اس وقت کمزور دکھائی دیتی ہے جب اس کا جائزہ بجلی (.433)، پانی (.386)، بیت الخلاء (.467)، اور چاردیواری (.384) کی دستیابی کے حوالے سے لیا جاتا ہے۔ صرف تعلیمی سکور اور عمارت کے تسلی بخش حالات (.503) کے درمیان قدرے مضبوط مثبت تعلق دیکھنے کو ملتا ہے۔

سکولوں میں بنیادی ڈھانچے کی دستیابی کے حوالے سے کامیابی کے سکور کا جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ مجموعی تعلیمی سکور کے معاملے میں یہ تعلق قدرے کمزور ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ داخلہ، حصول (جس کی پیائش پانچویں جماعت تک تسلسل کے طور پر کی جاتی ہے) اور صنفی مساوات کے درمیان قدرے نمایاں تعلق پایا جاتا ہے۔

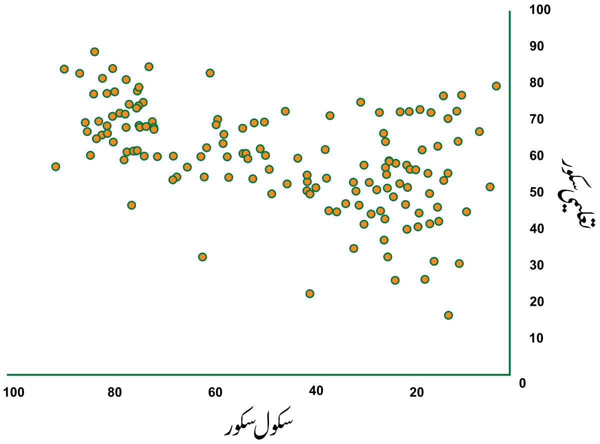

شکل 1: سکول سکور اور تعلیمی سکور کے درمیان باہمی تعلق

پھر ہم نے تعلیمی سکور کے ان خاص اجزاء کا جائزہ لینے کی کوشش کی جن کا سکول کے بنیادی ڈھانچہ یعنی حقیقی داخلے اور تسلسل کے ساتھ نمایاں تعلق ہوسکتا ہے۔ہم نے پرائمری میں داخلے کی صنفی لحاظ سے الگ الگ حقیقی شرح (پی ایس ایل ایم) اور پانچویں جماعت تک تسلسل کی شرح (این ای ایم آئی ایس) کا استعمال کیا (جدول 2)۔

سکولوں کی سہولیات	داخلے کی حقیقی شرح		تسلسل کی شرح	
	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے
بجلی	.552**	.386**	.318**	.197**
پانی	.639**	.545**	.204*	.201*
بیت الخلاء	.626**	.488**	.481**	.048**
چاردیواری	.628**	.481**	.336**	.105
عمارت کی تسلی بخش حالت	.604**	.486**	.441	-.009

* .05 کی سطح پر باہمی تعلق نمایاں ہے
** .01 کی سطح پر باہمی تعلق نمایاں ہے

جدول 2: صنف کے لحاظ سے الگ الگ داخلے اور تسلسل کی شرح اور سکولوں میں سہولیات کا باہمی تعلق (n = 145)

جدول میں باہمی تعلق کا جائزہ لینے پر زیادہ واضح تصویر سامنے آتی ہے:

- لڑکیوں کے داخلے اور تسلسل (جو تسلسل کا جائزہ لینے کا ایک اور طریقہ ہے) کا سکولوں میں سہولیات کی دستیابی کے ساتھ تعلق لڑکوں کے داخلے اور تسلسل کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے۔
- سکولوں میں سہولیات کی دستیابی سے طلبہ کے تسلسل کے مقابلے میں داخلے پر زیادہ بہتر اثرات نظر آتے ہیں۔سکولوں میں سہولیات کے باعث داخلے کی شرح سے تسلسل کی شرح کی جانب باہمی تعلق میں کمی قابل غور ہے۔
- بیت الخلاء اور پانی کی دستیابی سب سے اہم عامل کے طور پر دکھائی دیتے ہیں جن کے بعد چاردیواری کی اہمیت آجاتی ہے۔
- بجلی کی دستیابی سے داخلے یا تسلسل پر اثرات کچھ زیادہ نمایاں دکھائی نہیں دیتے۔

صوبوں کے لحاظ سے الگ الگ کر کے ڈیٹا کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی سکور اور سکول سہولیات کے درمیان ربط آزاد جموں و کشمیر اور گلگت بلتستان میں سب سے کمزور ہے جہاں سکولوں میں بعض جگہوں پر سہولیات کی دستیابی سب سے کم ہونے کے باوجود تعلیمی نتائج بہتر ہیں۔اس کا سبب یہ حقیقت ہوسکتی ہے کہ یہ تعلیمی سہولیات سرکاری سکولوں سے متعلق ہیں جبکہ تعلیمی نتائج تمام بچوں سے متعلق ہیں۔ جہاں بچوں کا ایک نمایاں تناسب نجی سکولوں میں داخل ہوگا وہاں طلبہ کے نتائج اور سرکاری سکولوں میں سہولیات کے درمیان تعلق خود بخود کم ہوگا۔

تاہم آزاد جموں و کشمیر اور گلگت بلتستان پر نظر دوڑائیں تو تعلیمی نتائج اور سکولوں کے بنیادی ڈھانچہ کے درمیان تعلق کے کسی بھی تجزیہ پر کچھ سوچ بچار ضروری لگتی ہے۔

حاصل بحث

یہاں اس امر کا اعادہ ضروری ہے کہ یہ سکول سہولیات اور تعلیمی نتائج کے درمیان تعلق کا انتہائی بنیادی نوعیت کا جائزہ ہے۔ بہرحال اس سے بعض رجحانات ضرور سامنے آتے ہیں جن کی تصدیق مزید تجزیہ کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

پہلا، سکول سہولیات تعلیمی نتائج پر کچھ نہ کچھ اثرات ضرور مرتب کرتی ہیں اور یہ تعلق مثبت ہے۔ تاہم اس تعلق کی قوت تعلیمی نتائج کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہے۔

دوسرا، لڑکیوں کے داخلے اور پانچویں جماعت تک تسلسل کے باہمی تعلق کا جائزہ لینے پر سکول سہولیات کا ظاہری تعلق زیادہ مضبوط دکھائی دیتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکول سہولیات میں بہتری بالخصوص پانی اور بیت الخلاء کی دستیابی لڑکیوں کے داخلے اور تسلسل کی شرح کو بہتر بنا سکتی ہے۔

آخری بات، یہ امر قابل ذکر ہے کہ بہتر سکول سہولیات کے درمیان تعلق کہیں بھی اتنا مضبوط نہیں ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ تمام تعلیمی مسائل اسی سے دور کئے جاسکتے ہیں۔لہٰذا کوئی بھی پالیسی جس کا مقصد محض سکول سہولیات کو بہتر بنانا ہو اور اس میں اساتذہ کی تربیت، سکول کے ماحول میں بہتری، والدین کی شمولیت جیسے وسیع تر پہلوؤں پر توجہ نہ دی جائے، تعلیمی نتائج میں نمایاں بہتری کا باعث نہیں بنے گی البتہ شاید یہ طے شدہ اہداف کے حصول کا زیادہ مہنگا طریقہ ضرور ثابت ہوسکتی ہے (جیسا کہ آزاد جموں و کشمیر اور گلگت بلتستان کے معاملے میں ظاہر ہوتا ہے)۔ بہتر منظرنامہ کی تیاری کے لئے ڈیٹا کے مزید جائزہ کی ضرورت ہے جس میں ضلعی سطح کے معاشی و تعلیمی بجٹ کے ڈیٹا کا موازنہ بھی شامل ہو۔

---

1 نیشنل ایجوکیشن مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم (این ای ایم آئی ایس) ملک بھر کے سرکاری سکولوں میں بنیادی سہولیات کی دستیابی پر خاطر خواہ ڈیٹا مہیا کرتا ہے۔

2 پال گلیوے، ایرک اے ہانوشیک، سارا ہمپیج، رینالٹو راوینا، School resources and education outcomes in developing countries: a review of the literature from 1990 to 2010۔ ورکنگ پیپر نمبر 17554 (کیمبرج، ایم اے، نیشنل بیورو آف اکنامک ریسرچ، 2011)، ویب سائٹ: http://goo.gl/wZkrHe

3 تفصیلی معلومات: ہم الف اعلان کی ضلعی تعلیمی رینکنگ کے شریک مصنفین میں شامل ہیں۔ یہ رینکنگ الف اعلان کیمپین اور ایس ڈی پی آئی نے مشترکہ طور پر تیار کی۔ یہ رینکنگ پہلی بار 2013 میں تیار کی گئی اور دوسری بار اس کا اجراء 22 مئی 2014 کو اسلام آباد میں کیا گیا۔

4 تسلسل کی شرح میں داخل طلبہ کے ایک خاص عرصے تک سکول میں رہنے کے امکان کی پیائش کی جاتی ہے۔

5 پاکستان، شماریات ڈویژن، پاکستان میں سماجی و رہن سہن کے معیارات کی پیائش (پی ایس ایل ایم) کا سروے، 2012-13 (اسلام آباد، شماریات بیورو پاکستان، 2014)، ویب سائٹ: http://goo.gl/4xn1y0

6 ادارہ تعلیم و آگاہی، تعلیم کی صورتحال پر سالانہ رپورٹ (اے ایس ای آر)، 2013، قومی (عبوری)، (لاہور، 2014)، ویب سائٹ: http://goo.gl/zqXhaK

7 این ای ایم آئی ایس کا ڈیٹا

8 نجی سکولوں پر یہ ڈیٹا دستیاب نہیں۔

9 رینکنگ کے حساب کی مزید تفصیلات 2013 اور 2014 کی رینکنگ رپورٹوں میں دستیاب ہیں۔

سرکاری شعبے کی تعلیم میں بہتری: کمیونٹی تنظیموں کا کردار

©یو این ڈی پی پاکستان

شاندانہ خان

چیف ایگزیکٹو آفیسر

رورل سپورٹ پروگرامز نیٹ ورک

(آر ایس پی این)

شاندانہ خان نچلی سطح پر اور پالیسی سطح پر 18 سال کا وسیع تجربہ رکھتی ہیں جس کے دوران انہوں نے زیادہ تر خواتین کے پروگراموں، صنفی امور، دیہی ترقی اور سماجی فعالی کے شعبوں پر کام کیا۔ ان دنوں وہ رورل سپورٹ پروگرامز نیٹ ورک (آر ایس پی این) کی چیف ایگزیکٹو آفیسر کے طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں۔

پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 25-A کے تحت پرائمری تعلیم 5 سے 16 سال تک عمر کے ہر بچے کا بنیادی حق ہے اور اس وقت ملک میں پرائمری تعلیم کے لئے اہل بچوں کی تعداد 2 کروڑ 70 لاکھ ہے۔ تاہم شرح خواندگی صرف 58 فیصد ہے (لڑکوں میں 69 فیصد اور لڑکیوں میں 49 فیصد)، یوں پاکستان خطے کے ان ملکوں میں شمار ہوتا ہے جو اس لحاظ سے سب سے پیچھے ہیں۔ 2013 کے اعداد و شمار ایک پریشان کن تصویر پیش کرتے ہیں:

- ☆ 6 سے 16 سال عمر کے تقریباً 21 فیصد بچوں کو سکولوں میں داخل نہیں کرایا گیا؛
- ☆ 3 سے 5 سال عمر کے تقریباً 60 فیصد بچے ابھی تک کسی سکول میں داخل نہیں ہیں؛
- ☆ پانچویں جماعت کے تقریباً 57 فیصد بچے ایسے ہیں جو دوسری جماعت کا نصاب نہیں پڑھ سکتے یا دو ہندسی تقسیم کا سادہ سا حساب نہیں کر سکتے؛
- ☆ ان میں سے تقریباً نصف طلبہ ایسے ہیں جو مقامی زبانوں مثلاً اردو، سندھی اور پشتو میں دوسری جماعت کی کتابیں بھی نہیں پڑھ سکتے؛[1]

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان اپنے ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) حاصل نہیں کر پائے گا جن کے تحت اس نے 2015 تک پرائمری میں داخلے کا تناسب 100 فیصد اور شرح خواندگی 88 فیصد کرنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ کمزور طرز حکمرانی اور سرکاری شعبے کی ناکامی کو اکثر ان حالات کا سبب قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اتنے بڑے چیلنج پر ریاست تنہا پورا نہیں اتر سکتی۔ اگرچہ حکومت تعلیم کے شعبے میں درپیش اس ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے اقدامات کر رہی ہے لیکن سپلائی کی جانب مشکلات اپنی جگہ برقرار ہیں۔ دیہی کمیونٹیز کو بالخصوص سکولوں میں ناقص یا ناپید سہولیات، سکیورٹی مسائل جیسی مشکلات کا سامنا ہے جو طلبہ اور اساتذہ دونوں پر اثر انداز ہوتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر حاضر اساتذہ تنخواہیں وصول کر رہے ہیں اور طلبہ کی کارکردگی ناقص ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) کے ساتھ پارٹنرشپ کی حالیہ کوششیں کسی قدر ثمر آور ثابت ہوئی ہیں لیکن اس رجحان کو برقرار رکھنے اور حقیقی تبدیلی لانے کے لئے دیرپا سیاسی عزم کی ضرورت ہے۔ شاید اس کا بہترین حل یہ ہے کہ لوگوں کی تنظیموں کو حکومتی توانائیوں کے ساتھ یکجا کر کے انہیں فروغ دیا جائے۔

رورل سپورٹ پروگرامز نیٹ ورک (آر ایس پی این) اور ڈپارٹمنٹ فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ (ڈی ایف آئی ڈی) کے فنڈز سے کام کرنے والی

''الف اعلان'' نے ''سماجی فعالی'' کے طریقے کو اپناتے ہوئے عین اسی چیز کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

تکنیکی و مالی معاونت کے ساتھ ساتھ محتاط منصوبہ بندی اور تنظیمی سرگرمیوں سے لوگوں کو مدد ملتی ہے کہ وہ نچلی سطح کی ایسی کمیونٹی تنظیمیں (سی او) یا مقامی معاون تنظیمیں (ایل ایس او)، جو عوام اور حکومت کے درمیان خلاء کو دور کرتی ہیں، تشکیل دے کر غربت سے نجات حاصل کریں۔ عام طور پر تعمیر استعداد کے اقدامات سے کمیونٹیز کو ترقیاتی سکیموں کی نشاندہی، ان پر عملدرآمد کی نگرانی اور دیکھ بھال کے علاوہ فنڈز اور معاونت کے لئے مقامی حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔

اس ضمن میں مقامی معاون تنظیمیں سکولوں کو بہتر بنانے کے لئے سکول مینجمنٹ کمیٹیوں (ایس ایم سی) اور مقامی حکومت کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ یہ طریقہ خاصا کامیاب رہا ہے اور اس وقت تقریباً 300,000 مقامی معاون تنظیمیں ایسی ہیں جو پاکستان بھر میں بہتر تعلیم کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

اوپر سے نیچے کی طرف کام کرنے کے طریقوں کے مقابلے میں کمیونٹی تنظیموں/ مقامی معاون تنظیموں کے طریقہ کے متعدد فوائد سامنے آئے ہیں۔ اخراجات اور وقت کا عمدہ استعمال ایسا ہی ایک فائدہ ہے جس کی بدولت ترقیاتی سکیمیں مثلاً بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کے منصوبے کمیونٹی کی نگرانی میں کم دورانیہ اور باکفایت لاگت پر مکمل کی گئی ہیں۔ احساس ملکیت اور پائیداری ایک اور پہلو ہے جس کی بدولت کسی بھی منصوبے کے حتمی نتیجہ میں کمیونٹی کے کچھ کلیدی مفادات برقرار رہتے ہیں اور اکثر وہ ان پروگراموں کے لئے اپنے فنڈز فراہم کرتے ہیں جن کی بدولت ان کا عرصہ حیات طویل ہوتا ہے اور کمیونٹی میں ان کی اہمیت زیادہ دیر تک برقرار رہتی ہے۔ پرائمری سکولوں کے نظام کے حوالے سے والدین اور کمیونٹی ارکان تعلیم کے بحران کو سمجھتے ہیں اور وہ سرکاری تعلیمی اداروں کو عوام کے سامنے بہتر طور پر جوابدہ بنانے کے لئے مقامی حکومت کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خود اس کے رکن ہوتے ہیں اور رابطہ ورسائی رکھتے ہیں اس لئے وہ مالی و انتظامی معاملات کو بہتر انداز میں طے کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ اس کی بدولت انہیں سرکاری شعبہ تعلیم کے ساتھ ضلعی سطح کے روابط استوار کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور یوں وہ بہتر خدمات کا مطالبہ کر سکتے ہیں، داخلوں میں اضافہ کر سکتے ہیں، اساتذہ کی جواب طلبی کر سکتے ہیں اور بہتری کی مہم میں مدد دے سکتے ہیں۔ متعلقہ فریقوں میں عام طور پر والدین، ایسے بچے جن کا داخلہ نہ ہوا ہو، کمیونٹی کے قابل ذکر افراد، مذہبی رہنما، اساتذہ، سکول مینجمنٹ کمیٹیوں کے ارکان، محکمہ تعلیم، سیاسی پارٹیوں کے کارکن اور انتخابی امیدوار یا انتخابات میں جیتنے والے افراد شامل ہوتے ہیں۔

اس کی ایک عمدہ مثال بہاولپور کے گاؤں لطیف آباد میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں مقامی معاون تنظیم نے سکول مینجمنٹ کمیٹی کے ساتھ مل کر اساتذہ، والدین اور بچوں کو درپیش مسائل پر تبادلہ خیالات کیا۔ اس میں سکول مینجمنٹ کمیٹی کے خرچ کے طریقوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ ایک بار جب سکول مینجمنٹ کمیٹی مقامی سکول کے گرد چاردیواری کی تعمیر کے لئے فنڈز فراہم نہ کر پائی تو مقامی معاون تنظیم نے مقامی سیاست دانوں سے رابطہ کیا اور ضلعی محکمہ تعلیم سے اس مقصد کے لئے 925,000 روپے حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ یوں اساتذہ اور طلبہ دونوں میں احساس تحفظ بہتر ہوا اور داخلوں کی شرح میں 53 فیصد اضافہ ہو گیا۔ مقامی معاون تنظیموں کے زیر انتظام کام کرنے والے خیبر پختونخواہ اور پنجاب کے دیگر

©یو این ڈی پی پاکستان

سکولوں میں بھی اسی طرح کی کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں۔ سول سوسائٹی نے ایک بار جب ان مقامی معاون تنظیموں میں 25-A کے تحت حاصل بنیادی حقوق سے شناسائی پیدا کر دی اور انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ مقامی سیاست دانوں کے ساتھ مسلسل روابط کے ذریعے وہ مقامی سطح پر احتساب میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں تو پھر انہوں نے سکول سے باہر بچوں کی نشاندہی کے لئے بیس لائن سروے کئے، اپنے علاقوں میں مہم چلائی اور آگاہی واک وغیرہ کا اہتمام کیا۔ نو ماہ کے اندر داخلے کی شرح میں 36 فیصد اضافہ ہو گیا ہے اور نئے داخل ہونے والے بچوں میں 46 فیصد لڑکیاں ہیں۔

ان تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاطر خواہ تبدیلی ممکن ہے اور کوششیں تیز کرنے سے قومی سطح پر تعلیم میں بہتری آ سکتی ہے۔ مقامی معاون تنظیموں کا ایک وسیع، ادارہ جاتی نیٹ ورک احتساب یقینی بنانے کے لئے ایک ایسا ناگزیر نظام ہے جو حکومت کے ساتھ کمیونٹی کی پارٹنرشپس کی موثر نگرانی کا کام دے سکتا ہے۔ حکومت کے ساتھ ان تعلقات کو باضابطہ اور مضبوط شکل دینے اور مزید مقامی معاون تنظیموں کے قیام کی راہ ہموار کرنے کے لئے کوششوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ایک بار ضلعی اور صوبائی سطح پر یہ تنظیمیں قائم ہو جائیں تو یہ سول سوسائٹی کے ایک ایسے مضبوط ستون کا کام دے سکتی ہیں جو دراصل حکومت کا احتساب کر سکتا ہے۔ پیہم سیاسی عزم ایک کلیدی عامل کی حیثیت رکھتا ہے اور عوام اور ان کی مقامی حکومت کے درمیان مستقل روابط کے ذریعے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

یہ منصوبے جہاں کامیاب رہے ہیں وہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومتی اداروں کی معاونت اور ان کے ساتھ پارٹنرشپ کے ذریعے ان کا دائرہ مزید پھیلایا جائے۔

Annual Status of Education Report (ASER)-Pakistan. 2014. Annual status of education report, 2013 –National (provisional). Lahore: South Asian Forum for Education Development (SAFED).

پروفیسر احسن اقبال

وفاقی وزیر منصوبہ بندی، ترقی و اصلاحات

آپ کے خیال میں طرزِ حکمرانی کے کون سے مسائل ایسے ہیں جو پرائمری سکولوں میں داخلے اور تعلیم کے تسلسل میں اضافہ کے لئے پاکستان کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں؟ ان مسائل سے نمٹنے کے لئے حکومت نے کون کون سے طریقے تجویز کئے ہیں؟

پہلا، اصلاح سیاسی ارادے اور عزم کے بغیر ناممکن ہے۔ تاہم حکومت پنجاب نے اس محاذ پر کچھ پیشرفت دکھائی ہے جس کے نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اس نے کمپیوٹرز، سکولوں میں اساتذہ کی موجودگی یقینی بنانے کے لئے باقاعدگی کے ساتھ نگرانی کا نظام اور اساتذہ کی بھرتی میں میرٹ کا تصور متعارف کرایا ہے جس کے شاندار نتائج سامنے آئے ہیں اور اس کی بدولت سرکاری شعبے کے تعلیمی معیارات کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

دوسرا، ضرورت سے زیادہ مرکزیت خطرناک ہوتی ہے۔ تعلیم بھی اسی کا شکار ہے، یہاں تک کہ صوبائی سطح پر بھی۔ جس طرح تعلیم کو مرکز سے نچلی سطح پر منتقل کیا گیا ہے اسی طرح صوبوں کو بھی چاہئے کہ وہ خودنگران کا کردار ادا کریں اور یہ شعبہ اضلاع کو منتقل کریں۔ میں پنجاب میں ایسی ہی ایک کاوش کا حصہ رہا ہوں جہاں ''خودمختار پیشہ ورانہ ضلعی تعلیمی اتھارٹیز'' کے قیام کے لئے قوانین منظور کئے جاتے ہیں جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ تعلیمی نظام کی نگرانی کریں اور اسے چلائیں۔ ان کی نگرانی کے لئے اسی طرح کی تعلیمی اتھارٹیز صوبائی سطح پر موجود ہیں۔ اس طرح چھوٹے موٹے معاملات مثلاً ہیڈ ماسٹر کا تبادلہ اور ترقی وغیرہ کو مقامی سطح پر نمٹانے کا موقع مل جاتا ہے۔

تیسرا، پاکستان میں سرکاری تعلیم معاشرے کی ضروریات سے ہم آہنگ نہیں کیونکہ تعلیم کو متعلقہ ہونا چاہئے۔ ملک اور معیشت کو جدید پیشہ ورانہ ماہرین کی ضرورت ہے جو تخلیقی سوچ، تجزیہ، مسائل حل کرنے اور ٹیم کے طور پر کام کرنے جیسی صلاحیتوں سے لیس ہوں جبکہ ہمارا موجودہ نظام یہ چیزیں نہیں سکھاتا۔ اس سلسلے میں تمام صوبائی وزراء تعلیم کی ایک کانفرنس حال ہی میں منعقد کی گئی جہاں قومی نصاب کونسل کے قیام کی تجویز پیش کی گئی۔ یہ تمام اہم عناصر پاکستان کے وژن 2025 میں شامل کئے جا رہے ہیں تاکہ نظام تعلیم کو اس قدر جدید بنایا جا سکے کہ یہ ہمارے معاشرے کے موجودہ اور مستقبل کے تقاضوں پر پورا اتر سکے۔

چوتھا، سرکاری تعلیم تمام بچوں کی ٹیکنالوجی تک مساوی رسائی یقینی نہیں بناتی جس کا نتیجہ ''تعصب پر مبنی تعلیم'' کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اس حوالے سے حکومت پنجاب نے ایک خاصا دلیرانہ اقدام کرتے ہوئے صوبے بھر کے سرکاری ہائی سکولوں میں 4,000 کمپیوٹر لیبارٹریاں قائم کی ہیں۔ ان کی بدولت غریب گھرانوں کے کئی طلبہ کو کمپیوٹر پر بیٹھنے اور ان کا استعمال سیکھنے کا موقع ملا ہے۔

یہاں زبان بھی قابل ذکر ہے۔ ہمیں طلبہ کو عالمی سٹیج کے لئے تیار کرنا ہے اس لئے دیگر کے علاوہ عربی، چینی (Mandarin) اور فرانسیسی زبانیں متعارف کرانا ناگزیر ہے۔

میں یہاں انگریزی اور اردو میڈیم تعلیم کے مسئلے پر بھی اظہار خیال کرنا چاہوں گا۔ جو بچے اردو میں سوچتے ہیں اگر ان کے کلاس روم میں پڑھانے کے لئے صرف انگریزی زبان استعمال کی جائے تو انہیں انگریزی میں اپنے اظہار میں مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ اظہار پر کمزور گرفت کا مطلب ہے سوچ کا ناقص اور ناکافی انداز میں اظہار۔ کم عمری میں سیکھنے اور تخیل پر مبنی سوچ ضروری ہے کہ آپ دونوں زبانوں میں بلا روک ٹوک اظہار کر سکیں اور علوم کو آزادانہ طور پر اپنے اسلوب میں ڈھال سکیں۔ ہم صوبوں کے درمیان اس مسئلے پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حکومت نے شعبہ تعلیم میں گورننس کے مسائل کے ازالہ اور ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) پر پیشرفت تیز کرنے کے لئے کن اقدامات کی منصوبہ بندی کی ہے یا کیا اقدامات تجویز کئے ہیں؟

ہم ایم ڈی جیز پر کافی پیچھے ہیں۔ پنجاب میں اس محاذ پر کسی قدر سیاسی عزم دیکھنے میں آیا ہے اور وہاں اب سب بچوں کو پرائمری میں داخل کرانے کے لئے مہم بھی چلائی جا رہی ہے۔ تاہم مجھے دوسرے صوبوں کے بارے میں تشویش لاحق ہے لہٰذا ہم اسی طرح کی مہمات شروع کرنے کے لئے تمام صوبائی وزراء اعلیٰ کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ قومی سطح پر تمام بچوں کو سکولوں میں لانا ضروری ہے اور اس کام میں ہم کسی تاخیر کے ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس مسئلے پر کئی اجلاس اور سینیٹ میں بحثیں ہو چکی ہیں۔ اپنے عوام اور لیڈروں میں ان مقاصد کی تکمیل اور انسانی وسائل پر سرمایہ لگانے کی اہمیت پر شعور پیدا کرنا ہماری کوششوں کا حصہ ہے کیونکہ ترقی لوگوں سے شروع ہوتی ہے اور لوگوں پر ہی ختم ہوتی ہے۔ افزائش کے سابقہ ادوار کی قوت محرکہ طبعی بنیادی ڈھانچے پر سرمایہ کاری تھی اور یوں ترقی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو پایا۔ ہم اب مختلف متعلقہ فریقوں کے ساتھ مل کر تعلیم میں سرمایہ کاری کی اہمیت پر آگاہی پیدا کرنے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس کے لئے سول سوسائٹی اور غیر سرکاری شعبے میں روابط استوار کرنے کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔ نجی شعبے کو اپنی جگہ ایک اہم کردار ادا کرنا ہے۔ درحقیقت تعلیمی اہداف کو تقویت دینے کے لئے پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن غریب خاندانوں کے بچوں کو نجی سکولوں میں حصول تعلیم کے لئے وظائف دے رہی ہے۔

آخر میں یہ سوال آ جاتا ہے کہ ''ہم پرائمری سکولوں کو کس طرح طلبہ کے لئے پرکشش بنا سکتے ہیں؟'' اس کے ازالہ کے لئے بھی ہم ایک پروگرام پر کام کر رہے ہیں۔ اس کے لئے ایک ایسا ماحول پیدا کرنا ضروری ہے جو پڑھنے پڑھانے اور تربیت کے لئے زیادہ سازگار ہو اور اساتذہ کو ایسے طریقوں اور لائحہ عمل سے لیس کرنا ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنا سکیں کہ طلبہ سکول چھوڑ کر نہ جائیں۔ بلاشبہ سکولوں میں بنیادی سہولیات مثلاً بیت الخلاء، چار دیواری، پینے کے پانی، اور فرنیچر کی فراہمی سے بھی داخلوں میں اضافہ میں مدد مل سکتی ہے۔

کیا منصوبوں میں شامل اقدامات پر عملدرآمد میں کوئی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں؟ انہیں دور کرنے کے لئے کون سے جدت پر مبنی حل متعارف کرائے جا رہے ہیں؟

ایک بڑا مسئلہ صوبوں کے درمیان باہمی رابطے کی کمی ہے۔ وفاقی حکومت تو صرف صوبوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتی ہے اور باہمی رابطے کا کردار ادا کر سکتی ہے کیونکہ تعلیم کا شعبہ اب مکمل طور پر نچلی سطح پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس شعبے کی ذمہ داری مرکز پر بھی عائد ہوتی ہے کیونکہ تعلیم قومی سطح پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ مرکز کو یہ یقینی بنانا ہے کہ کوئی صوبہ پیچھے نہ رہ جائے۔ صوبوں کو اب قومی معیارات کی ضرورت کا ادراک ہو گیا ہے اور وہ بین الصوبائی تعلیمی وزراء کمیٹی کے ذریعے قومی نصاب کونسل اور مستقل سیکرٹیریٹ قائم کر رہے ہیں۔

18 ویں ترمیم کے بعد کے منظر نامے میں آپ صوبوں کو اپنے مجوزہ اقدامات پر قائل کرنے کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں؟

ہر خطے کے اپنے اپنے مسائل ہیں۔ ہم علاقائی ضروریات کی بنیاد پر ایک قومی منصوبہ تشکیل دینے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ تعلیمی معیارات کی مساوی تقسیم کو یقینی بنایا جا سکے۔

ایک قابل ذکر بات

'...اصلاح سیاسی ارادے اور عزم کے بغیر ناممکن ہے۔'

انٹرویو

رانا مشہود احمد خان

وزیر برائے سکول تعلیم، اعلیٰ تعلیم وامور نوجوانان،
کھیل، آثار قدیمہ وسیاحت، پنجاب

آپ کے خیال میں طرز حکمرانی کے کون سے مسائل ایسے ہیں جو پرائمری سکولوں میں داخلے اور تعلیم کے تسلسل میں اضافہ کے لئے پاکستان کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں؟ ان مسائل سے نمٹنے کے لئے حکومت نے کون کون سے طریقے تجویز کئے ہیں؟

طرز حکمرانی کے کئی مسائل ہیں، جن میں جنوبی پنجاب میں سکولوں تک ناقص رسائی سے لے کر غیرموزوں سہولیات تک ہر طرح کے مسائل شامل ہیں۔ بالخصوص ایک شدید مسئلہ اساتذہ کی استعداد کا ہے۔ حکومت پنجاب اسے بہتر بنانے کے لئے کوششیں کر رہی ہے۔ ہم نے گزشتہ ڈیڑھ سال میں 140,000 نئے اساتذہ بھرتی کئے ہیں جن میں زیادہ تر خواتین ہیں۔ ہم نے اساتذہ کے لئے پری سروس ٹریننگ کا آغاز کیا ہے، جس کے تحت گزشتہ دو سال میں 200,000 اساتذہ کو تربیت دی گئی۔ علاوہ ازیں ہم انگلش کے اساتذہ کی مہارتیں بہتر بنانے کے لئے پنجاب ایجوکیشن اینڈ انگلش لینگویج انیشیٹیو (پی ای ای ایل آئی) پر عملدرآمد کے لئے برٹش کونسل کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

داخلے کی شرح سکولوں میں سہولیات کی کمی سے متاثر ہوتی ہے جن میں چار دیواری، پینے کا پانی، بیت الخلاء، بجلی، فرنیچر، اضافی کلاس روم اور ظاہر ہے اہل اساتذہ شامل ہیں۔ ہم نے ان مسائل کے ازالہ کے لئے اس سال 12 ارب روپے خرچ کئے ہیں جن میں سے 60 فیصد سے زائد بچیوں کے سکولوں پر خرچ کئے گئے۔

تعلیم کا تسلسل بھی ایک مسئلہ ہے اور سکول چھوڑ جانے کی شرح بھی حوصلہ شکنی کا باعث بنتی ہے۔ ہم نے مانیٹرنگ اینڈ اویلیویشن اسسٹنٹ (ایم ای اے) تعینات کئے ہیں جنہیں ٹیبلٹ کمپیوٹر فراہم کئے گئے ہیں جن کے ذریعے وہ اساتذہ اور طلبہ کی حاضری کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا ڈیٹا سنٹرل کمانڈ سنٹر کو منتقل کرتے ہیں اور یوں ہمارے پاس ہر وقت حاضری کی معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ اس کے نتائج شاندار رہے ہیں۔

کیا منصوبوں میں شامل اقدامات پر عملدرآمد میں کوئی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں؟ انہیں دور کرنے کے لئے کون سے جدت پر مبنی حل متعارف کرائے جا رہے ہیں؟

اساتذہ کی طرف سے خاصی مزاحمت ہوئی ہے۔ تاہم اپنے نئے منصوبے کے تحت ہم نے 40,000 نئے اساتذہ بھرتی کئے ہیں اور ہر سال 20,000 ریٹائر ہو رہے ہیں۔ بھرتی خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر کی جائے گی، انتخاب کے لئے لیا جانے والا امتحان کافی مشکل ہے اور یوں یہ عمل خاصا مقابلے پر مبنی ہے۔ جو لوگ بھرتی ہوں گے انہیں پری سروس ٹریننگ حاصل کرنا ہوگی اور ترقیاں صرف اور صرف سنیارٹی کی بنیاد پر دی جائیں گی اور نتائج اور کارکردگی کی اپنی اہمیت ہوگی۔

کیا آپ کے خیال میں تعلیمی مسائل پر صوبوں کے درمیان باہمی رابطہ ہونا چاہئے؟

سلیبس اور نصاب کا یکساں ہونا بہت ضروری ہے۔ وفاقی وزارت نے اجلاس طلب کئے ہیں اور ہم سب قومی نصاب اتھارٹی کی ضرورت پر اتفاق کرتے ہیں۔

شعبہ تعلیم کو صوبوں سے اضلاع کی طرف مزید نچلی سطح پر منتقل کرنے کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ہم ضلعی تعلیمی اتھارٹیز کے قیام پر کام کر رہے ہیں۔ پالیسی کا کام زیادہ تر مرکزی سطح پر ہوگا لیکن اصل کام کرنا ان اتھارٹیز کی ذمہ داری ہوگی۔ متعلقہ بل سٹینڈنگ کمیٹی کے پاس چلا گیا ہے اور وہ اس پر کام کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ چند ماہ کے اندر اسمبلی میں پیش کر دیا جائے گا اور منظور ہو جائے گا۔ اس کے بعد اتھارٹیز اپنا کام شروع کر دیں گی۔

ایک قابل ذکر بات

"ہم ضلعی تعلیمی اتھارٹیز کے قیام پر کام کر رہے ہیں۔ پالیسی کا کام زیادہ تر مرکزی سطح پر ہوگا لیکن اصل کام کرنا ان اتھارٹیز کی ذمہ داری ہوگی۔ متعلقہ بل سٹینڈنگ کمیٹی کے پاس چلا گیا ہے اور وہ اس پر کام کر رہے ہیں۔"

نوجوانوں کی آواز

سید عباس حسین

حکومت پولیو ورکروں کو گھر گھر بھیجتی ہے۔ تعلیم کی اہمیت واضح کرنے کے لئے نمائندے داخلہ فارم لے کر گھر گھر کیوں نہیں جاسکتے؟ میڈیا پر مہم بھی اس کا حصہ ہوسکتی ہے۔ کمیونٹی کے نوجوان اپنا کچھ فالتو وقت رضا کارانہ سرگرمیوں کے لئے وقف کر سکتے ہیں جس میں وہ سرکاری اور نجی دونوں طرح کی تنظیموں کے ساتھ مل کر غیر مراعات یافتہ بچوں کو تعلیم فراہم کرنے کے لئے کام کریں۔

مہر النساء خان

نجی سکولوں کا اپنا ایک کردار ہے لیکن صرف ان کے لئے جو ان کی استطاعت رکھتے ہیں۔
حکومت کو چاہئے کہ انہیں ریگولیٹ کرے اور یقینی بنائے کہ وہ سرکاری سکولوں کی طرح ایک ہی نصاب پڑھائیں تا کہ سرکاری سکولوں کے طلبہ بھی نجی سکولوں کے تعلیم یافتہ طلبہ کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔ اس کے علاوہ سرکاری سکولوں کو بہتر بنیادی سہولیات اور اساتذہ کی بہتر تنخواہوں کی ضرورت ہے۔

شہوان بی بی

یہاں تعلیم ضروری نہیں ہے۔ والدین کو یہ زیادہ بہتر لگتا ہے کہ اپنے بچوں کو پیسے کمانے کے لئے کام پر بھیجیں۔ ہمیں گرانٹس اور وظائف کی ضرورت ہے۔
فنڈز کی فراہمی اور بنیادی ڈھانچہ بڑے مسائل ہیں۔ سرکاری اور نجی شعبے کی پارٹنرشپ چل سکتی ہے شاید اس طرح کہ حکومت نگرانی کرے اور انتظامیہ نجی شعبے کی ہو۔ اور ظاہر ہے بچیوں کے سکولوں میں چار دیواری، پینے کا صاف پانی اور بیت الخلاء ہونے چاہئیں۔ اس کے علاوہ سکولوں کی سرگرمیوں کی نگرانی میں کمیونٹی کو ساتھ ملایا جائے اور چیک اینڈ بیلنس یقینی بنائے جائیں

محمد اسلام (بوٹا)

سرکاری سکولوں میں بہتر تربیت یافتہ اساتذہ اور بنیادی ڈھانچہ ہونا چاہئے۔ بہتر سکول ہماری ضرورت ہیں جہاں بیت الخلاء، پینے کا صاف پانی، کمپیوٹر لیبارٹریوں اور لائبریریوں جیسی سہولیات موجود ہوں۔ کارخانوں یا مصروف سڑکوں کے نزدیک سکول نہیں چل سکتے۔ بصورت دیگر ہم بچوں سے کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ وہ پڑھیں لکھیں گے؟

انٹرویو

نثار احمد کھوڑو

سینئر وزیر تعلیم، سندھ

آپ کے خیال میں طرز حکمرانی کے کون سے مسائل ایسے ہیں جو پرائمری سکولوں میں داخلے اور تعلیم کے تسلسل میں اضافہ کے لئے پاکستان کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں؟ ان مسائل سے نمٹنے کے لئے حکومت نے کون کون سے طریقے تجویز کئے ہیں؟

پرائمری سکولوں میں داخلے اور تسلسل میں اضافہ کے لئے پاکستان کی کوششوں میں رکاوٹ بننے والا سب سے بڑا مسئلہ طرز حکمرانی کے ایک فعال فریم ورک کی غیر موجودگی اور لوگوں میں آگاہی اور ان کی طرف سے مطالبے کا فقدان ہے۔ اساتذہ میں غیر حاضری کے رجحان اور غیر فعال سکولوں کی وجہ سے صورتحال مزید بگڑ گئی ہے جس کے باعث والدین اپنے بچوں کو سکول نہیں بھیجتے اور ابتدائی سالوں میں ہی بچے سکول چھوڑ جاتے ہیں۔

سندھ میں اس صورتحال کے ازالہ کے لئے متعدد نئے اقدامات پر عملدرآمد کیا جا رہا ہے۔ ہم کم وبیش 20,000 پرائمری، سیکنڈری اور ہائی سکول اساتذہ کی بھرتی پر کام کر رہے ہیں جو جون 2014 تک مکمل ہو جائے گی۔ بھرتی کا کام شفاف انداز میں کیا جا رہا ہے یہ بھرتیاں نیشنل ٹیسٹنگ سروس (این ٹی ایس) کے زیر اہتمام ٹیسٹوں کی بنیاد پر کی جا رہی ہیں۔

محکمہ تعلیم سندھ نے سرکاری سکولوں میں شبینہ کلاسز متعارف کرانے کی منصوبہ بندی کر لی ہے اور دوسری شفٹ کے لئے ریٹائرڈ اساتذہ کی خدمات معقول معاوضہ پر حاصل کی جائیں گی۔ اساتذہ کی غیر حاضری کے رجحان کے ازالہ کے لئے بائیومیٹرک اور نگرانی کے نظام متعارف کرائے جائیں گے۔ اس کے لئے کم وبیش 2,000 نگران بھرتی کئے جائیں گے۔

کیا منصوبوں میں شامل اقدامات پر عملدرآمد میں کوئی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں؟ انہیں دور کرنے کے لئے کون سے جدت پر مبنی حل متعارف کرائے جا رہے ہیں؟

فی الوقت تو ایسی کوئی رکاوٹیں درپیش نہیں ہیں۔ ہم نے مشکلات پر قابو پانے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔

کیا آپ کے خیال میں تعلیمی مسائل پر صوبوں کے درمیان باہمی رابطہ ہونا چاہئے؟

صوبوں کے درمیان باہمی رابطہ انتہائی مددگار رہتا ہے۔ اس سے تجربات کے تبادلہ میں مدد ملتی ہے اور ایک دوسرے سے سیکھنے کے مواقع ملتے ہیں۔ ہم دیگر صوبوں کے تعلیمی محکموں کے ساتھ باہمی رابطہ کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہیں اور اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور تشویش کا باعث بننے والے متعدد شعبوں پر ان کے ساتھ رابطے میں ہیں۔

شعبہ تعلیم کو صوبوں سے اضلاع کی طرف مزید نچلی سطح پر منتقل کرنے کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ہمیں اس پر کوئی بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی کیونکہ ہم ماضی میں بھی ان تجربات سے گزر چکے ہیں جب صدر پرویز مشرف کے دور اقتدار میں یہ شعبے نچلی سطح پر منتقل کئے گئے تھے۔ اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی سے شعبہ تعلیم پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ہم ماضی کی غلطیاں دہرانا نہیں چاہتے۔

ایک قابل ذکر بات

’ہم ضلعی تعلیمی اتھارٹیز کے قیام پر کام کر رہے ہیں۔ پالیسی کا کام زیادہ تر مرکزی سطح پر ہو گا لیکن اصل کام کرنا ان اتھارٹیز کی ذمہ داری ہوگی۔ متعلقہ بل سٹینڈنگ کمیٹی کے پاس چلا گیا ہے اور وہ اس پر کام کر رہے ہیں۔‘

©یواین ڈی پی پاکستان

نوجوانوں کی آواز

علی حسام

سرکاری نظام تعلیم کو بہتر بنانے کا آغاز اساتذہ کی تربیت اور بچوں سے مشقت کے خلاف عدم برداشت کی پالیسی سے ہونا چاہئے۔ فنڈز کی تخصیص بھی ایک مسئلہ ہے اور کسی ایک سکول سے لے کر وزارت تعلیم تک ہر سطح پر چیک اینڈ بیلنس ضروری ہیں۔ دانشورانہ قیادت اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ بہتر ہوگا کہ نجی شعبے کے تدریسی ماہرین کو مراعات دی جائیں کہ وہ حکومتی اداروں کے لئے کام کریں۔

نشرہ باقی

بجٹ میں اضافہ اور عمدہ طریقے سے تخصیص سرکاری شعبہ تعلیم کے لئے سودمند رہے گی۔
سرکاری سکولوں میں معیار سے متعلق مسائل درپیش ہیں، اکثر اساتذہ کو تنخواہیں نہیں ملتیں اور کتابوں پر نظر ثانی نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے بچے پڑھائی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ بہتر تعلیم ہماری فوری ضرورت ہے۔ تعلیم نہ ہو تو ان بچوں کو زندگی میں آگے چل کر کوئی کام نہیں مل پاتا اور ان میں سے کچھ جرائم کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔

صائمہ گل میرانی

منصوبہ بندی بہت ضروری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قومی معیارات طے شدہ ہوں، داخلے کے حوالے سے ہر صوبے کے اپنے اپنے اہداف ہیں اور درکار مالی، تکنیکی اور انسانی وسائل کے تخمینے لگائے جائیں۔ معاشرے کے محروم طبقات بالخصوص بچیوں اور کسی معذوری کا شکار افراد کو زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں۔ خدمات کی فراہمی میں معیار کو یقینی بنانے کے لئے نگرانی اور معائنہ کے نظام ضروری ہیں۔

شعیب اسلام

خواندگی، جرائم، سیاسی عدم آگاہی اور انتہا پسندی کا توڑ کرتی ہے۔ فنڈز کی فراہمی اصل مسئلہ نہیں بلکہ سرکاری شعبہ تعلیم کی موجودہ صورتحال کا زیادہ تر الزام بدانتظامی، کرپشن اور عملدرآمد کے غیر موزوں طریقوں کو جاتا ہے۔ نجی سکولوں کی ریگولیشن ہونی چاہئے اور ان کا نصاب یکساں ہونا چاہئے جو سرکاری سکولوں کے ہم آہنگ ہو۔ نوجوان اپنا کردار اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے اداروں میں بے ضابطگیوں کی نشاندہی کریں اور اپنے خدشات کے اظہار کے لئے یوتھ پارلیمنٹ طرز کے پلیٹ فارم تشکیل دیں۔

محمد عاطف خان

وزیر تعلیم، خیبر پختونخواہ

آپ کے خیال میں طرز حکمرانی کے کون سے مسائل ایسے ہیں جو پرائمری سکولوں میں داخلے اور تعلیم کے تسلسل میں اضافہ کے لئے پاکستان کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں؟

داخلوں میں اضافہ پر ہم نے کچھ پیشرفت دکھائی ہے لیکن غربت بدستور ایک بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ غریب خاندان اپنے بچوں کو سکول کے بجائے کام پر بھیجنے کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے ذریعہ معاش بن سکیں۔ سرکاری سکولوں کے معیارات بہت پست ہیں جو ایک روشن مستقبل کے لئے اعتماد پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی وہ بچوں کو انجینئر اور ڈاکٹر بننے کی طرف مائل کرتے ہیں۔ یہ کم داخلوں اور سکول چھوڑ جانے کی بلند شرح کا بنیادی سبب ہے اور اسی لئے ہمیں معیارات بہتر بنانے پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔ والدین کا اعتماد حاصل کرنا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ انہیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے بچے ایک بار اچھی سرکاری تعلیم حاصل کر لیں تو وہ زندگی میں آگے بڑھ سکتے ہیں، تو اس سے داخلوں اور سکول چھوڑ جانے کے مسائل پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔

گورننس سے متعلق ایک اور سنجیدہ مسئلہ انتظام و انصرام اور سہولیات کا ہے۔ خیبر پختونخواہ میں تقریباً 2,800 سرکاری سکول ہیں اور ان کا نظام چلانا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایک بڑی اکثریت ایسی ہے جو بنیادی سہولیات کی کمی کا شکار ہیں اور بعض صورتوں میں تو اساتذہ بھی نہیں ہیں۔ یہ ساری باتیں بھی داخلے کی شرح پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

پھر گورننس اور سیاسی مداخلت کے مسائل بھی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مسائل نہیں ہیں لیکن ہم درست ٹریک پر چل رہے ہیں اور ان پر قابو پالیں گے۔

حکومت نے ان مسائل کے ازالہ کے لئے کن اقدامات کی منصوبہ بندی کی ہے یا کیا اقدامات تجویز کئے ہیں؟

ہم تعلیمی ایمرجنسی کا کئی زاویوں سے جائزہ لے رہے ہیں کیونکہ یہ مسائل ایک سمت پر کام کرنے سے حل نہیں ہو سکتے۔ پہلا، ہم کمیاب سہولیات کی فراہمی کے ذریعے داخلوں میں اضافے پر توجہ دے رہے ہیں جس کے لئے حکومت اور عطیہ دہندگان کے فنڈز استعمال کئے جا رہے ہیں۔ ہم نے ''تعمیر سکول پروگرام'' کا آغاز کیا ہے جس کے تحت نجی افراد اور مقامی و بین الاقوامی تنظیمیں کمیاب سہولیات کی فراہمی میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ہماری ویب سائٹ پر تقریباً 122 سکولوں کے ساتھ وہاں کمیاب سہولیات کی فہرست دی گئی ہے۔ عطیہ دینے والے خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس شعبے کے لئے رقم دینا چاہیں گے۔

ایک قابل ذکر بات

"گورننس سے متعلق سنجیدہ مسئلہ انتظام و انصرام اور سہولیات کا ہے۔ خیبر پختونخواہ میں تقریباً 2,800 سرکاری سکول ہیں اور ان کا نظام چلانا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایک بڑی اکثریت ایسی ہے جو بنیادی سہولیات کی کمی کا شکار ہیں اور بعض صورتوں میں تو اساتذہ بھی نہیں ہیں۔"

علاوہ ازیں اس مقصد کے لئے خرچ کی جانے والی رقوم کا انتظام سرکاری افسران کے پاس نہیں بلکہ والدین اور اساتذہ پر مشتمل کونسلوں کے پاس ہوتا ہے۔

ہم نے نگران یونٹ بھی قائم کئے ہیں جو سکولوں اور اساتذہ سے الگ بالکل آزاد حیثیت میں کام کرتے ہیں۔ ہم سمارٹ فون اور گلوبل پوزیشننگ سسٹم (جی پی ایس) ٹریکنگ کے ذریعے حقیقی ڈیٹا بھی جمع کر رہے ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ نگران اپنے فرائض بطریق احسن انجام دیں۔ جو معلومات وہ خود جمع کرتے ہیں مثلاً کمیاب سہولیات کے بارے میں معلومات وغیرہ، ان سے ہمیں مکمل معلومات پر مبنی فیصلے کرنے میں مدد ملتی ہے۔

کیا منصوبوں میں شامل اقدامات پر عملدر آمد میں کوئی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں؟ انہیں دور کرنے کے لئے کون سے جدت پر مبنی حل متعارف کرائے جا رہے ہیں؟

کچھ خاص نہیں۔ لیکن سیاسی مداخلت ہمارے اقدامات میں کچھ نہ کچھ رکاوٹ ضرور ڈالتی ہے۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ تقرریاں اور تبادلے صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر کئے جائیں۔

کیا آپ کے خیال میں تعلیمی مسائل پر صوبوں کے درمیان باہمی رابطہ ہونا چاہئے؟

فی الوقت ہمارے دیگر صوبوں کے ساتھ کچھ زیادہ روابط نہیں ہیں۔ عام طور پر یہ محض کانفرنسوں تک ہی محدود ہوتے ہیں۔ 18 ویں ترمیم کی منظوری کے بعد شعبہ تعلیم صوبوں کے پاس آ گیا اور افسران نے اپنے اپنے صوبے میں تعلیمی مسائل پر کام کرنا، فیصلے کرنا اور بجٹ منظور کرنا شروع کر دیئے اس لئے بین الصوبائی رابطہ کو بالخصوص زیادہ ترجیح نہ دی گئی۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک عمدہ خیال ہے جس کی بدولت صوبوں کو ایک دوسرے کے تجربات سے سیکھنے کا موقع ملے گا۔

شعبہ تعلیم کو صوبوں سے اضلاع کی طرف مزید نچلی سطح پر منتقل کرنے کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

ہم مقامی حکومتوں کا نظام متعارف کرانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ مقامی حکومت کے انتخابات کے بعد محکمہ تعلیم کے اختیارات نچلی سطح پر منتقل کر دیئے جائیں گے۔ پالیسی سازی کا شعبہ صوبائی حکومت کے پاس ہی رہے گا لیکن عملدر آمد کا کام صوبوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں، ترقیاتی فنڈز کے ایک خاص فیصد تناسب کا نظم و نسق اور استعمال ضلع سطح پر کیا جائے گا۔

نوجوانوں کی آواز

نہال تبسم

سرکاری تعلیم میں فنڈز کے حوالے سے مسئلہ یہ نہیں کہ فنڈز نہیں ملتے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ صحیح طرح استعمال نہیں ہوتے۔ چیک اینڈ بیلنس کی ضرورت ہے۔ نجی شعبے کا کردار اپنی جگہ ہے لیکن یہ سارے سکول واقعی 'اچھے' نہیں ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ انہیں ریگولیٹ کرے۔ سکولوں کی سب سہولیات بہت اچھی ہیں لیکن اچھا نصاب اور موزوں تربیت یافتہ اساتذہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

محمد اشفاق

حکومت کو چاہئے کہ نجی سکولوں کو ریگولیٹ کرے۔ نجی اور سرکاری شعبوں کی پارٹنرشپ ممکن ہے، شاید نئے سرکاری سکول بنانے سے بہتر ہے نجی سکولوں کی فیس دے دیں۔ یہ کام کارکردگی کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ دیگر مسائل میں سیاسی مداخلت اور بنیادی ڈھانچہ کی کمی شامل ہیں۔ آخری بات یہ کہ نوجوان اپنی کمیونٹیز میں تعلیم پر آگاہی پیدا کرنے کے لئے رضاکارانہ طور پر کام کرسکتے ہیں۔

عباس علی

حکومت کو چاہئے کہ سرکاری سکولوں کی ساکھ بہتر بنائے۔ اس کے لئے بہتر انفراسٹرکچر اور اہل اساتذہ کی ضرورت ہے جس پر ظاہر ہے پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ ہمارے سکول آفات اور عسکریت پسندوں کی نذر ہو چکے ہیں اور ان کی دوبارہ تعمیر کے لئے فنڈز کی ضرورت ہے۔ نجی سکول بھی ایک مسئلہ ہیں اور ان کی ریگولیشن ہونی چاہئے۔ فی الوقت یہ لوگ نوٹ چھاپ رہے ہیں۔ اور نجی اور سرکاری شعبوں کی پارٹنرشپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ثمینہ ناز

نجی سکولوں کی خدمات شاندار ہیں لیکن حکومت کی طرف سے ان کی ریگولیشن بہت ضروری ہے۔ اس میں یکساں نصاب بھی شامل ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، شاید یتیم بچوں کو پڑھا کر۔ نوجوان ملازمتیں نہ ملنے کا گلہ کرتے ہیں۔ اپنے علاقوں کے غیر مراعات یافتہ بچوں کو اجرت پر پڑھائیں، اس سے آپ کا یہ مسئلہ بھی حل ہوسکتا ہے۔

سردار رضا محمد خان بڑیچ

مشیر تعلیم، وزیراعلیٰ بلوچستان

ایک قابل ذکر بات

''ہم اپنے بنیادی ڈھانچہ کو بہتر بنائے بغیر ایم ڈی جیز حاصل نہیں کر سکتے۔ تاہم، ہم تمام بچوں کو سکولوں میں لاتے ہوئے آئین کے آرٹیکل 25-A پر حقیقی معنوں میں عملدرآمد کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔''

آپ کے خیال میں طرز حکمرانی کے کون سے مسائل ایسے ہیں جو پرائمری سکولوں میں داخلے اور تعلیم کے تسلسل میں اضافہ کے لئے پاکستان کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں؟ ان مسائل سے نمٹنے کے لئے حکومت نے کون کون سے طریقے تجویز کئے ہیں؟

بلوچستان، پاکستان کے زمینی رقبہ کے 43 فیصد پر محیط ہے لیکن یہاں آبادی کا صرف 5.2 فیصد لوگ مقیم ہیں۔ صوبے کی 22,500 آبادیوں کے لئے صرف 12,500 سکول ہیں جن میں سے 6,000 سکول ایک کمرے کی عمارت میں واقع ہیں اور ان میں صرف ایک استاد ہے۔ بلوچستان کے بیشتر سکول کمیونٹی سطح پر کام کر رہے ہیں اور اساتذہ کی بھرتی مقامی کمیونٹی کرتی ہے۔ اس وقت سکولوں میں 11 لاکھ بچے داخل ہیں اور ان میں سے محض ایک تہائی بچیاں ہیں۔ اوسطاً 1,000 میں سے دراصل صرف 330 بچے سکولوں میں داخل ہیں۔ جہاں تک بچیوں کا تعلق ہے تو ہمیں واقعی کم داخلے کی شرح کا مسئلہ درپیش ہے۔ تقریباً نصف آبادی اس قابل بھی نہیں کہ وہ بنیادی پرائمری تعلیم حاصل کر سکیں۔ ایک آخری بات، اس نظام کے اپنے مسائل ہیں جیسے اساتذہ کی تقرریوں اور تبادلوں کے لئے سیاسی دباؤ کے اثرات وغیرہ۔

حکومت نے شعبہ تعلیم میں گورننس کے مسائل کے ازالہ اور ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) پر پیشرفت تیز کرنے کے لئے کن اقدامات کی منصوبہ بندی کی ہے یا کیا اقدامات تجویز کئے ہیں؟

ہم اپنے بنیادی ڈھانچہ کو بہتر بنائے بغیر ایم ڈی جیز حاصل نہیں کر سکتے۔ تاہم، ہم تمام بچوں کو سکولوں میں لاتے ہوئے آئین کے آرٹیکل 25-A پر حقیقی معنوں میں عملدرآمد کی بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ ہم نجی سکولوں، مدارس اور مسجد سکولوں کو بھی نظام تعلیم کے دھارے میں لانے کے لئے ایک پالیسی تشکیل دے رہے ہیں جبکہ کئی مدارس پہلے ہی اپنے نصاب کے ساتھ ساتھ جدید نصاب پڑھانے پر بھی رضامند ہو گئے ہیں۔

دیگر صوبوں کے ساتھ چلتے ہوئے ہم بھی ایک پالیسی اپنا رہے ہیں جس کے تحت طلبہ کو مفت کتابیں، وردیاں اور ٹرانسپورٹ کی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

تدریسی محاذ پر ہم اس بات کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کر رہے ہیں کہ اساتذہ اپنے کلاس روم میں ہوں اور اپنے فرائض انجام دیں۔ اس طرح کے عملی اقدامات کی بدولت بلوچستان میں شرح خواندگی میں اضافہ ہوگا۔

کیا منصوبوں میں شامل اقدامات پر عملدرآمد میں کوئی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں؟ انہیں دور کرنے کے لئے کون سے جدت پر مبنی حل متعارف کرائے جا رہے ہیں؟

ہمارے پاس وسیع زمینی رقبہ موجود ہے لیکن ہمارے مالی وسائل محدود ہیں۔ ہمارے کل ترقیاتی بجٹ کا پچیس فیصد شعبہ تعلیم کے لئے مختص کیا گیا۔ ہم پورے صوبے میں سکول تعمیر کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں جن میں ایسے علاقوں پر خصوصی توجہ دی جائے گی جہاں سکول کم ہیں یا بالکل نہیں ہیں۔

مفت اور لازمی تعلیم ہر انسان کا حق ہے۔ ہم اپنے مالی وسائل کے اندر رہتے ہوئے فراہمی تعلیم کے لئے سنجیدہ اور مخلصانہ کوششیں کر رہے ہیں۔ حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی یہ ہے کہ تعلیم میں اصناف کے درمیان فرق کو دور کیا جائے، داخلے کی شرح بڑھائی جائے اور سکول چھوڑ جانے کی شرح کم کی جائے۔ ہم اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ ہر بچہ تعلیم حاصل کرے۔

کیا آپ کے خیال میں تعلیمی مسائل پر صوبوں کے درمیان باہمی رابطہ ہونا چاہئے؟

ہم اس خیال کے حق میں ہیں اور ہماری شدید خواہش ہے کہ ہمیں دیگر صوبوں کے ترقی یافتہ تعلیمی نظاموں سے اس طرح کی رہنمائی ملے۔ بلوچ طلبہ پہلے ہی دیگر صوبوں کے تعلیمی اداروں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

شعبہ تعلیم کو صوبوں سے اضلاع کی طرف مزید نچلی سطح پر منتقل کرنے کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

حکومت بلوچستان نے ضلعی سطح پر مڈل اور پرائمری سکولوں کے کاموں اور کارکردگی کی نگرانی کے لئے ''ہائی سکول کلسٹر سسٹم'' کے نام سے ایک منصوبہ اور حکمت عملی تشکیل دی ہے۔ ہم اساتذہ اور طلبہ کی حاضری پر نظر رکھنے کے لئے ''گلوبل پوزیشننگ سسٹم'' (جی پی ایس) اور ''جیوگرافک انفارمیشن سسٹمز'' (جی آئی ایس) استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

ٹیکنالوجی کے حوالے سے آئندہ سال کے لئے ایک اور کاوش یہ ہے کہ طلبہ کو مفت لیپ ٹاپ اور اینڈرائڈ ڈیوائسز (Android Devices) فراہم کی جائیں گی۔

©یو این ڈی پی پاکستان

نوجوانوں کی آواز

محمد لقمان خان

تعلیم بہتر بنانے کے لئے بنیادی ڈھانچے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیت الخلاء، چار دیواری وغیرہ۔ حکومت کو چاہئے کہ فنڈز کی تقسیم اور اساتذہ کی بھرتی کو زیادہ شفاف بنانے کے لئے والدین اور سول سوسائٹی کو ساتھ ملائے۔ نجی و سرکاری شعبوں کے اشتراک کے امکانات کا بھی جائزہ لیا جائے۔ ایک آخری بات، مستحق طلبہ کے لئے وظائف فراہم کئے جائیں۔

زہرا ہمایوں

حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسے خاندانوں کے مسائل کے ازالہ کے لئے بچیوں کے مزید سکول تعمیر کرے جنہیں اپنی بچیوں کو مخلوط نظام تعلیم والے سکولوں میں بھیجنے پر خدشات لاحق ہیں۔ فنڈز کے استعمال میں بہت زیادہ بے ضابطگیاں ہوتی ہیں، حکومت کو اس کی روک تھام کرنی چاہئے۔ میرے خیال میں اعلیٰ تعلیم کے حامل نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ غریب بچوں کو اپنی ضرورت کے مطابق تعلیم حاصل کرنے میں مدد دینے کے لئے اپنے علاقوں میں ٹیوشن سنٹر قائم کریں۔

شاہانہ خان

سکولوں میں سہولیات اور اساتذہ کا معیار چند ناگزیر مسائل ہیں۔ معیاری اساتذہ کا مسئلہ حل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ چاہے پرائمری سطح کی تعلیم ہو، اس کے لئے نوجوان، اہل گریجوئٹس کو بھرتی کیا جائے۔ نجی سکولوں کے لئے ایسے ضوابط طے کئے جائیں جن سے انگریزی اور اردو میڈیم نظاموں کے درمیان بُعد کم کرنے میں مدد ملے۔ محدود مالی وسائل کے اندر رہتے ہوئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن فنڈز کی غلط تخصیص کی روک تھام ضروری ہے۔

محمد فہد خان

طلبہ کے داخلوں اور تعلیم کے تسلسل میں بہتری کی ذمہ داری حکومت، والدین اور سول سوسائٹی پر عائد ہوتی ہے۔ تاہم حکومت پر لازم ہے کہ وہ سکیورٹی اور بنیادی سہولیات کی فراہمی یقینی بنائے۔ فنڈز کرپٹ بیوروکریسی کے ایک طویل سلسلے کے بجائے براہ راست سکولوں کو فراہم کئے جائیں۔ ایسے نوجوان، اہل اساتذہ کی ضرورت ہے جو بڑی سزا دینے کا راستہ نہ اپنائیں۔ ایک آخری بات، سرکاری اور نجی سکولوں کا نصاب ایک ہونا چاہئے۔

پاکستان میں
نظام تعلیم
کی اصلاح:
کیوں
کب
کیسے
مہناز عزیز، چلڈرنز گلوبل نیٹ ورک پاکستان
ڈیوڈ ای بلوم، ہاورڈ سکول آف پبلک ہیلتھ
سلال حمیر، ہاورڈ سکول آف پبلک ہیلتھ
امانویل جمینیز، انڈیپنڈنٹ اویلیویشن گروپ، ورلڈ بینک
لیری روزنبرگ، ہاورڈ سکول آف پبلک ہیلتھ
زیبا ستار، پاپولیشن کونسل پاکستان
©یواین ڈی پی پاکستان

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

جلد 1، شمارہ 2
مئی 2014

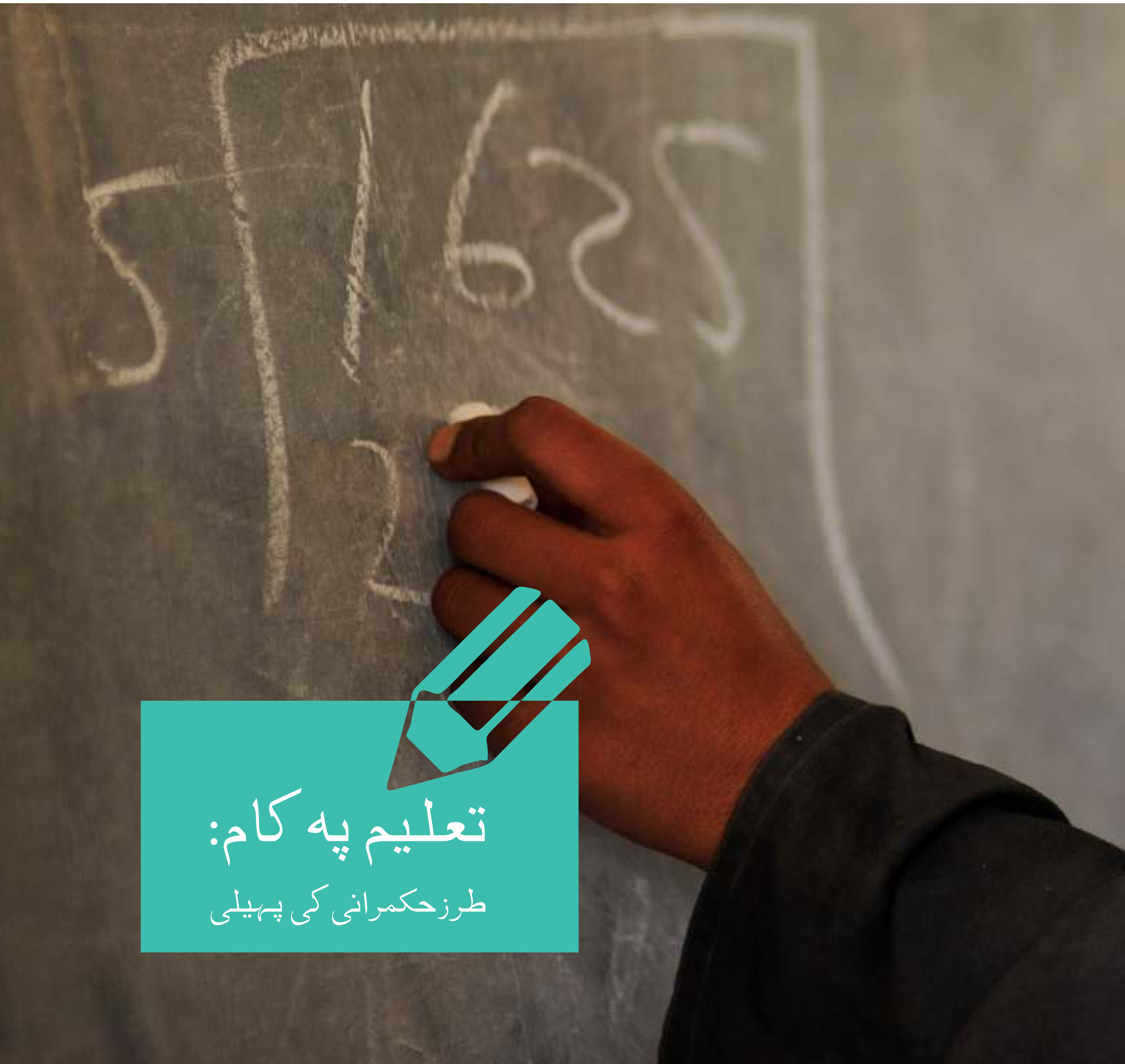

تعلیم پہ کام:

طرزحکمرانی کی پہیلی